عطاء الحق قاسمی

مُلاقاتیں اُدھوری ہیں

عطاء الحق قاسمی

ملاقاتیں ادھوری ہیں

(تازہ کلام کے اضافے کے ساتھ)

نستعلیق مطبوعات

107 عرفان چیمبرز 130 ٹیمپل روڈ لاہور

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○

القرآن

اشاعت: فروری ۲۰۰۶ء

ناشر : حسن محمود

کتابت : ورڈز میکر لاہور

سرورق : آغا نثار

مطبع : عظیم علیم پرنٹرز لاہور

قیمت : 200 روپے

بیرون ملک : 15 ڈالر

نستعلیق مطبوعات

107 عرفان چیمبرز 130 ٹیمپل روڈ لاہور

0300-4489310 ، 042-7312745

E-mail nastalique@yahoo.com

حمد

یہ نیلا آسماں اب درمیاں دیکھا نہیں جاتا
وہاں تک دیکھنا چاہوں جہاں دیکھا نہیں جاتا

وہ رہتا ہے انہی بینا جہانوں میں کہیں لیکن
زمیں کی آنکھ سے وہ آسماں دیکھا نہیں جاتا

امجد اسلام امجدؔ

کے نام

عطاءالحق قاسمی

اعزازات

ستارۂ امتیاز - پرائیڈ آف پرفارمنس

آدم جی ادبی ایوارڈ - رشید احمد صدیقی ایوارڈ

مناصب

کالم نگار روزنامہ جنگ لاہور

ایڈیٹر ''معاصر انٹرنیشنل'' لاہور

سابق سفیر پاکستان برائے ناروے

سابق سفیر پاکستان برائے تھائی لینڈ

تصنیفات

شوقِ آوارگی، گوروں کے دیس میں، دنیا خوبصورت ہے

اور پندرہ دیگر کتب

ٹی وی ڈرامے

خواجہ اینڈ سن - شب دیگ

شیدا ٹلی - حویلی

موجودہ پتہ

85/A ای ایم ای ہاؤسنگ سوسائٹی ملتان روڈ لاہور

فون: 0300-8470062

ترتیب

نعت

ہے مرا چارہ گر مدینے میں
منزل و راہبر مدینے میں

سارے رستے حضورؐ کے گھر کے
ہو گئے ہم سفر مدینے میں

کتنی صدیوں پہ ہو گئے ہیں محیط
میرے شام و سحر مدینے میں

کتنی صبحیں ظہور کرتا ہے
جاگنا رات بھر مدینے میں

تو نے کچھ بھی[1] تو دیکھنے نہ دیا
اے مری چشمِ تر مدینے میں

کیسے کعبے سے ہو کے لوٹ آؤں؟
میرا رختِ سفر مدینے میں

یاد فرمایئے مرے مولا
مجھ کو بارِ دگر مدینے میں

کتنے ہوتے ہیں خوش نصیب عطاؔ
جن کے ہوتے ہیں گھر مدینے میں

---

[1] برادرِ عزیز و مکرم اظہر عباس ہاشمی کے ایک شعر سے متاثر ہو کر

❁
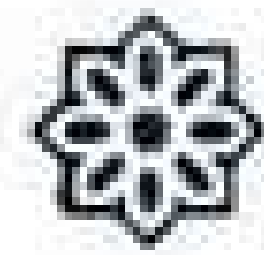
اُسے اب بھول جانے کا ارادہ کر لیا ہے
بھروسہ غالباً خود پر زیادہ کر لیا ہے

ہمارے دوستوں نے بے لبادہ موسموں میں
ہمارے نام کو اپنا لبادہ کر لیا ہے

مبارک ہو کہ میرے شہر کے رندوں نے اب کے
جنابِ شیخ سے کچھ استفادہ کر لیا ہے

ہمیں تقسیم ہونے سے عطا نفرت بہت تھی
تبھی تو ہم نے اپنا ملک آدھا کر لیا ہے
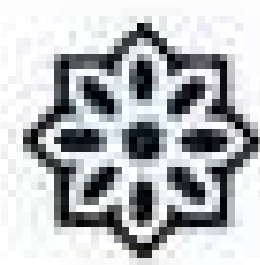
کہیں گلاب میں ہوں اور کہیں ببول میں ہوں
کسی کی یاد میں ہوں اور کسی کی بھول میں ہوں

مری تلاش میں نکلیں نہ قافلے والے
دکھائی دوں گا، ابھی راستے کی دھول میں ہوں

بندھا ہوا ہے مرا دل حفیظ تائب سے
پڑا ہوا میں درِ عاشق رسولؐ میں ہوں

میں وہ دُعا ہوں عطا جو ہر ایک لب پہ ہے
بس اتنا ہے کہ ابھی عرصۂ قبول میں ہوں

❁
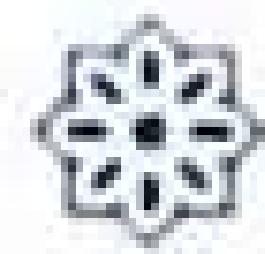
ایسی بھی اب مزاج میں عجلت نہیں رہی
گھبرا کے کہہ دیں تم سے محبت نہیں رہی

دیوانے اب تو دشت سے شہروں میں آ بسے
شاید جنوں میں پہلی سی وحشت نہیں رہی

مشہور ہم ہوئے ہیں کہ گمنام ہم ہوئے
جب خود کو جاننے کی ہی فرصت نہیں رہی

اُٹھے نہیں دعا کے لئے ہاتھ' اے خدا
طاقت وروں کو آپ کی حاجت نہیں رہی

پہلا قدم ہے موت کی جانب او سیر چشم
تو خوش ہے تیری آنکھ میں حیرت نہیں رہی

پھرتے ہو کچھ دنوں سے بہت بے نیازِ غم
اُلفت نہیں رہی کہ شکایت نہیں رہی

اب ہم کلام ہونے میں کیونکر لگے یہ جی
جب خود کلامیوں میں بھی لذت نہیں رہی

بڑھنے لگی ہے گرمیٔ بازار بھی عطاؔ
جب کاروبارِ شوق کی مہلت نہیں رہی

❁
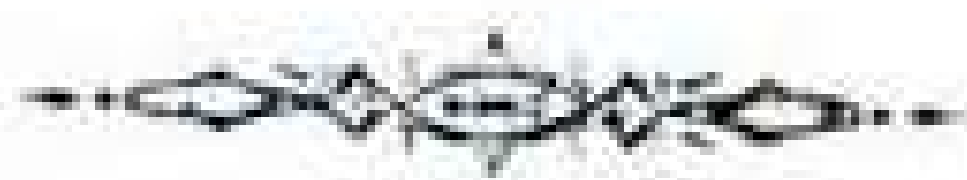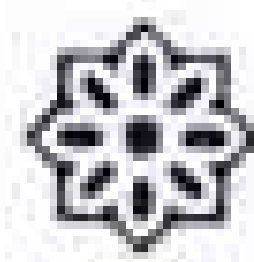
ہوا بھی اپنی ہے یہ روشنی بھی اپنی ہے
اور اس کے ساتھ مری بے بسی بھی اپنی ہے

بہ پیشِ خاک نشیناں یہ عاجزی کا چلن
حضورِ شاہ مری خود سری بھی اپنی ہے

کہوں میں کیسے زمانہ نہیں ہے قدر شناس
جو رہ گئی ہے کمی وہ کمی بھی اپنی ہے

یہ چہچہاتے پرندے یہ چاندنی یہ ہوا
دلوں میں تیرتی یہ بے دلی بھی اپنی ہے

یہ نور و نکہتِ دنیا یہ برگ و بارِ چمن
مگر یہ بے سر و پا زندگی بھی اپنی ہے

میں جلتے شہر کا نیرو ہوں اور رعایا بھی
یہ آنسو اپنے ہیں اور بانسری بھی اپنی ہے

❁
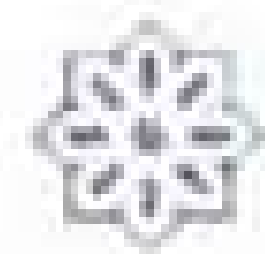
کسی کی سوچ کو جب راستا نہیں ملتا
تو پھر زمیں سے فلک تک خدا نہیں ملتا

تمہارے حسن میں وہ روشنی نہیں موجود
ہمارے عشق میں وہ رت جگا نہیں ملتا

ہمیں نے روک رکھے ہیں یہاں سبھی رستے
ہمیں کو ہے یہ گلہ راستہ نہیں ملتا

وہاں سے لوٹ کے آئے کوئی تو بتلائے
وہاں پہ کیا ہمیں ملتا ہے، کیا نہیں ملتا؟

ہجوم اتنا جوابوں کا ہو گیا ہے عطاؔ
کسی سوال کو اب راستہ نہیں ملتا

۞
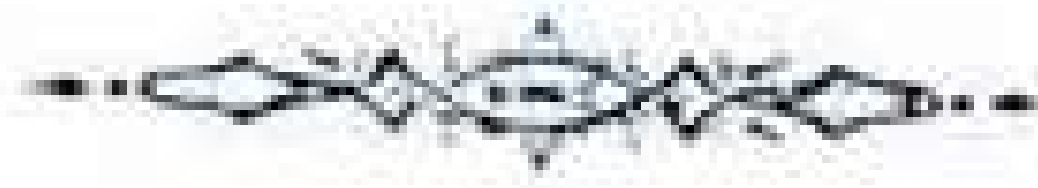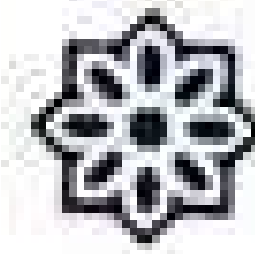
آخری رابطہ بھی یاد نہ تھا
وہ ملا تو گِلہ بھی یاد نہ تھا

رات اُتری ہوئی تھی صحرا میں
اور ہمیں راستہ بھی یاد نہ تھا

ہر کوئی تھا بتوں سے بھی نالاں
اور کسی کو خدا بھی یاد نہ تھا

جو مجھے گھر سے ڈھونڈنے نکلے
اُن کو میرا پتہ بھی یاد نہ تھا

وہ بھلا عرضِ حال کیا کرتے
اُن کو اپنا کہا بھی یاد نہ تھا

❁
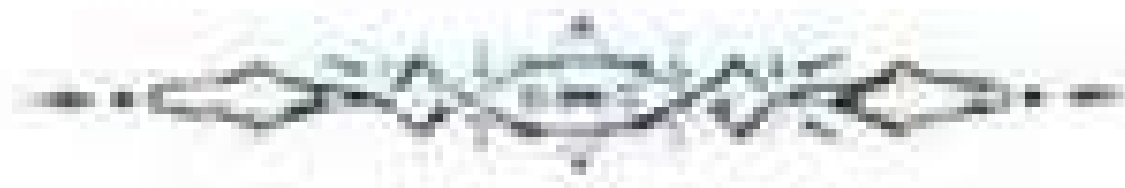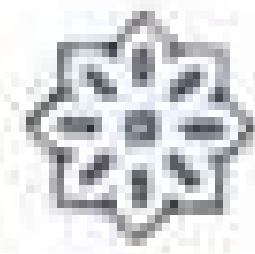
شکوۂ جور و جفا بھی ہونا
دعویٰ صبر و رضا بھی ہونا

کاش میں نے کبھی سوچا ہوتا
ایک دن تجھ سے جدا بھی ہونا

سامنے رکھنا ہواؤں کے چراغ
اور ہواؤں سے گِلہ بھی ہونا

دونوں لمحے ہیں قیامت یاربّ
اس سے ملنا بھی، جدا بھی ہونا

قید بھی اس کی بہت سخت مگر
اس کی زلفوں سے رہا بھی ہنا

اس سے رکھنا نہ تعلق کوئی
اور رستے میں پڑا بھی ہونا

آج مائل بہ کرم وہ بت بھی
آج تو میرا کہا بھی ہونا

❁
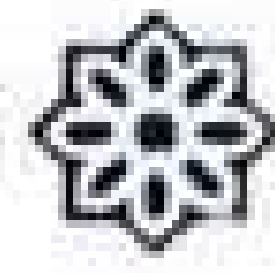
دِل سادہ تمہیں اب تو یہی باور کرانا ہے
جسے تم یاد کرتے تھے اُسے اب بھول جانا ہے

کناروں سے نکل سکتی ہیں کب یہ مضطرب موجیں
انہیں ساحل سے ٹکرانا ہے اور پھر لوٹ جانا ہے

سفر یہ واپسی کا ہولے ہولے طے کرو' اُس نے
تمہیں آواز دینی ہے تمہیں واپس بلانا ہے

سنو نامہرباں ! کچھ مہرباں لمحوں کی سرگوشی
مجھے کچھ یاد رکھنا ہے تمہیں کچھ بھول جانا ہے

❁
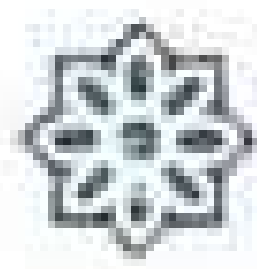
وہ مجھ سے دور بھی دل کے پاس رہتا ہے
وہ میری ذات میں مثلِ حواس رہتا ہے

یہیں کہیں مری تقدیر کی گواہی ہے
یہیں کہیں وہ ستارہ شناس رہتا ہے

ہوائے شہرِ تمنا ، تجھے خبر بھی ہے
تری مہک میں کوئی گل شناس رہتا ہے

میں بے وفائی پہ مائل ہوں ان دنوں لیکن
ترا خیال کہیں آس پاس رہتا ہے

❁
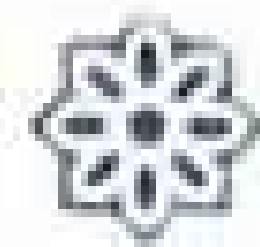
رُتبہ' منصب' ذات نہ لکھنا' نام مقام نہ لکھنا
عشق کرو تو دانہ لکھنا لیکن دام نہ لکھنا

جب تک وہ بھی اپنے خول سے باہر آ نہیں جاتا
پیار بھرے خط لکھنا' نیچے اپنا نام نہ لکھنا

عشق میں ہیں کچھ کام جو دھیرے دھیرے ہی ہوتے ہیں
دھیرے چلنا' تم آغاز میں ہی انجام نہ لکھنا

اب تو یہ سوچا ہے، عشق سرائے میں سب خانے
پُر جو کرنے ہیں تو اِن میں صبح و شام نہ لکھنا

لکھنا دِل کی دھڑکن دھڑکن اُس کے نام عطاؔ جی
لیکن اُس کا شہر نہ لکھنا، اُس کا نام نہ لکھنا

❁
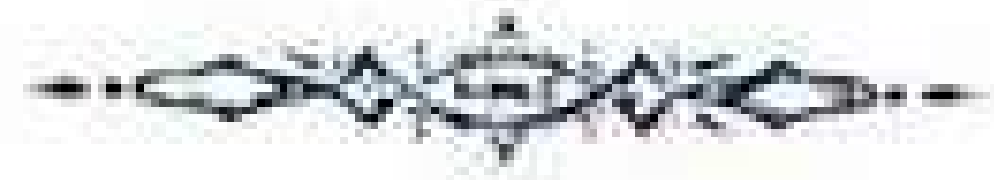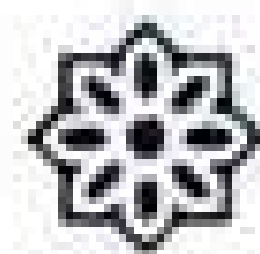
میرے لیے آوازۂ رُسوائی بہت ہے
اس شہر میں اِتنی بھی پذیرائی بہت ہے

صحرا کو نکل جائیں تو دِل بھی ذرا بہلے
شہروں میں تو ہنگامۂ تنہائی بہت ہے

لگتا ہے بہت دیر رُکے گی میرے گھر میں
اِس رات کی آنکھوں میں شناسائی بہت ہے

اس شہر میں رازق تو بہت ہیں میرے مولا
اس شہر میں کیوں بھوک اُتر آئی بہت ہے

اے جانِ عطاؔ لوٹ کے آ اپنے نگر میں
ورنہ غمِ دُنیا میں بھی رعنائی بہت ہے
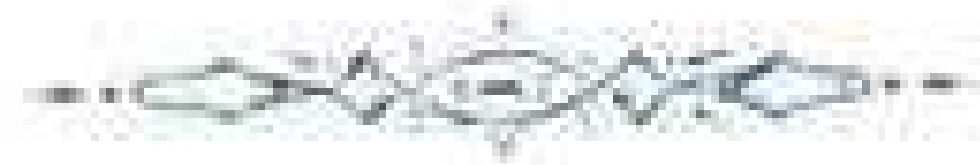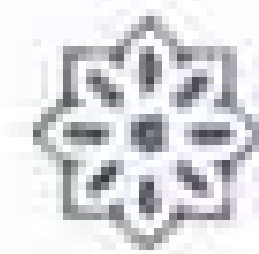
بھٹک رہی ہے عطاؔ خلق بے اماں پھر سے
سروں سے کھینچ لیے کس نے سائباں پھر سے

دِلوں سے خوف نکلتا نہیں عذابوں کا
زمیں نے اوڑھ لیے سر پہ آسماں پھر سے

میں تیری یاد سے نکلا تو اپنی یاد آئی
اُبھر رہے ہیں مٹے شہر کے نشاں پھر سے

تری زباں پہ وہی حرفِ انجمن آرا
مری زباں پہ وہی حرفِ رائیگاں پھر سے

ابھی حجاب سا حائل ہے درمیاں میں عطاؔ
ابھی تو ہوں گے لب و حرف راز داں پھر سے

--- ◆ ---
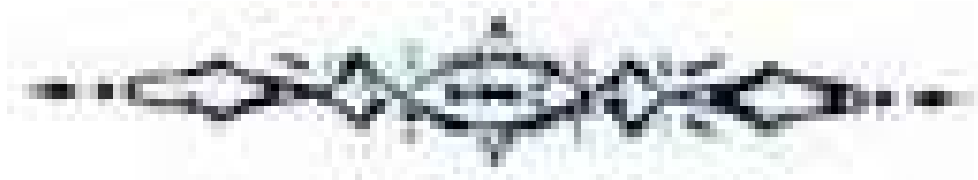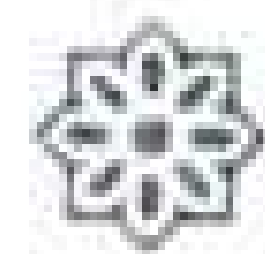
کوئی روشن لمحہ بھی اب یاد نہیں
چہروں میں وہ چہرہ بھی اب یاد نہیں

اپنے گھر کا رستہ تو ہم بھول گئے
اس کے گھر کا رستہ بھی اب یاد نہیں

لفظوں کی قندیلیں بجھتی جاتی ہیں
اپنے ہاتھ کا لکھا بھی اب یاد نہیں

ٹوٹ گیا تعبیر کا کچا دھاگہ یوں
کیسا تھا، وہ سپنا بھی اب یاد نہیں

کیا آغاز تھا' اس کا کیا انجام ہوا
عطاؔ ہمیں وہ قصہ بھی اب یاد نہیں

✿
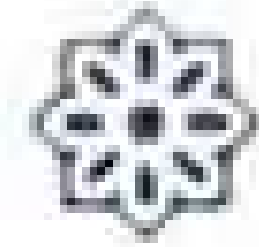
چیتھڑوں میں یہ لپٹا ہوا کون ہے؟
یہ جو اوڑھے ہوئے ہے قبا کون ہے؟

میں سزاوارِ تعزیر تو ہوں مگر
جو مجھے دے رہا ہے سزا، کون ہے؟

سب طرفدار ہیں، کون بتلائے گا
راہزن کون ہے، رہنما کون ہے؟

ایک شک کی نظر، منظروں کی طرف
یہ دیا کون ہے، یہ ہوا کون ہے؟

کیا پتہ ان صداؤں کے گرداب میں
کس کی آواز میں بولتا کون ہے؟

ایک آواز چاروں طرف دربدر
ہم ہیں خلقِ خدا تو خدا کون ہے؟

کس کی آنکھوں میں نیندوں کی پہنائیاں
رات سے رات تک جاگتا کون ہے؟

کون مڑ کے مجھے دیکھتا بھی نہیں
اور مسلسل صدا دے رہا کون ہے؟

اب تو دونوں کی آنکھوں میں شرمندگی
بات ہوگی کبھی، بے وفا کون ہے؟

اک صدا دے کے میں لوٹ آیا عطا
اس نے اندر سے جب یہ کہا کون ہے؟

تب سے سوچ رہا ہوں میری آنکھوں نے کیا دیکھا ہے
کیسے برے دنوں میں کیسا اچھا چہرہ دیکھا ہے

نیلی نیلی آنکھوں میں کچھ حیرت سی کچھ وحشت سی
سبز پہاڑوں کے دامن میں روپ سویرا دیکھا ہے

نگری نگری پھرتے پھرتے اپنے بال سفید ہوئے
تب ان دکھ کی راتوں میں اک سکھ کا سپنا دیکھا ہے

اس کے پیچھے چلتے چلتے گھر سے نکل جاؤ گے دور
تم نے کس کی مٹھی میں خوشبو کا جھونکا دیکھا ہے

کتنے دنوں کے بعد عطاؔ نے اپنے بال سنوارے ہیں
آئینے میں اس نے اپنا ہنستا چہرہ دیکھا ہے

ایک لانگ ڈسٹینس کال

تمہارا خط مجھ کو مل گیا ہے
ابھی پڑھا ہے
مجھے تو بس اتنا پوچھنا ہے
اداس کیوں ہو؟ اداس کیوں ہو؟
تمہاری آواز اتنی مدھم ہے
ایسے لگتا ہے
جیسے اپنے ہی کان میں
کوئی بات کہہ کر سمجھ رہے ہو
کہ بات مجھ تک پہنچ گئی ہے
تمہاری آواز
راستوں کی مسافتوں میں بھٹک رہی ہے

تمہارے لیے ایک نظم

میرے دِل میں تم اُس شہر کی صورت بستے ہو
جس کی گلیاں دھوپ سے روشن ہیں، اور جس کے
بام در یچے چاند رو پہلی کرنوں جیسی
آہٹ سنتے ہیں
میرے دِل میں تم اُس شہر کی صورت بستے ہو
جس میں گھنے درختوں، گہری چھاؤں، سبز ہواؤں کی
ریکھائیں روشن ہیں
جس کے دونوں جانب اُبھرے، سفید گلابوں کے سائے میں
ریشم ریشم ساحل والی ایک ندی ہے
میں اس شہر کے پھولوں، ریشمی ساحل
گھنے درختوں، گہرئی چھاؤں، سبز ہواؤں میں رہتا ہوں
میں اس شہر کے سارے رستوں سے واقف ہوں
یہ وہ شہر ہے جس میں میری عمریں بیت گئی ہیں
یہ وہ شہر ہے جس میں میرے آنے والے دِن رہتے ہیں

❁
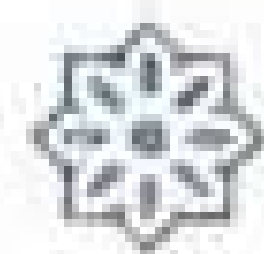
خوشبوؤں کا اک نگر آباد ہونا چاہئے
اس نظامِ زر کو اب برباد ہونا چاہئے

ان اندھیروں میں بھی منزل تک پہنچ سکتے ہیں ہم
جگنوؤں کو راستہ تو یاد ہونا چاہئے

جس کی زد میں ہوں ستم گر کے سبھی تیر و کماں
کوئی ایسا بھی ستم ایجاد ہونا چاہئے

خواہشوں کو خوبصورت شکل دینے کے لئے
خواہشوں کی قید سے آزاد ہونا چاہیے

ظلم بچے جن رہا ہے کوچہ و بازار میں
عدل کو بھی صاحبِ اولاد ہونا چاہیے

عرض کرتے عمر گزری ہے عطاؔ صاحب جہاں
آج اس محفل میں کچھ ارشاد ہونا چاہیے
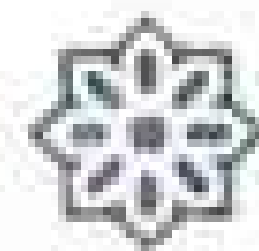
خطوں میں جس قدر ہوتی ہیں وہ باتیں ادھوری ہیں
مری جاں! اس طرح کی سب ملاقاتیں ادھوری ہیں

ترے بن جو گزرتے ہیں میں ان لمحوں سے واقف ہوں
مرے یہ دن ادھورے ہیں مری راتیں ادھوری ہیں

جو باتیں ہو چکی ہیں جانے کتنی مرتبہ تم سے
مجھے محسوس ہوتا ہے' وہی باتیں ادھوری ہیں

کچھ ایسے بھا گئی ہے دل کو اس کی سانولی رنگت
کہ اس کے سامنے اب حسن کی گھاتیں ادھوری ہیں

یہ نالوں کا فلک سے کیوں جواب آتا نہیں آخر
مجھے لگتا ہے میری سب مناجاتیں ادھوری ہیں

❁
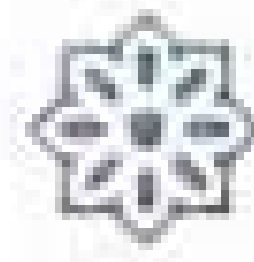
ہم مسافر کہاں منزل کی خبر مانگتے ہیں
ہم تو رستوں سے فقط اذنِ سفر مانگتے ہیں

اب تو یوں ہے کہ فلک بوس پہاڑوں کے نگر
سانس لینے کے لیے روزنِ در مانگتے ہیں

ہم بھلانا اُسے چاہیں تو بھلا بھی نہ سکیں
اب دُعاؤں میں بس اتنا سا اثر مانگتے ہیں

کام کو چھوڑ کے ہم نام کے پیچھے ہیں عطاؔ
وہ شجر بوئے نہیں جن کے ثمر مانگتے ہیں

آئینے شفاف ہیں کیوں خواب دُھندلے ہو رہے ہیں
منزلیں تو جاگتی ہیں راستے کیوں سو رہے ہیں

بے نصیب آنکھیں پرانے منظروں کے درمیاں ہیں
رابطے' بے ربط چہروں کے سوالی ہو رہے ہیں

ڈھونڈنے نکلو تو ان کو ڈھونڈنا دُشوار ٹھہرے
قافلے جو اپنے گھر کے آنگنوں میں کھو رہے ہیں

ذائقے کڑوے کسیلے پھر اُگ آئے ہیں زباں پر
کل جو کاٹا تھا عطا' ہم آج پھر وہ بو رہے ہیں

❁
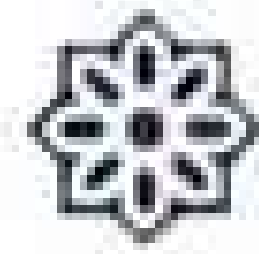
جو بھی کہنا ہے کہو' پھر اَن کہا رہ جائے گا
قربتوں کے درمیاں بھی فاصلہ رہ جائے گا

وہ گزر جائے گا اِن رستوں سے مثلِ بادِ صبح
اور تو اِن رہگزاروں میں کھڑا رہ جائے گا

بند کانوں سے سنے گا تو کھنکتی گفتگو
بھیگی آنکھوں سے اُسے بس دیکھتا رہ جائے گا

چھین لے گی صبح اِک آہٹ کا جھوٹا خواب بھی
آنکھ کی سونی گلی میں رت جگا رہ جائے گا

تتلیاں ہجرت کریں گی موسموں کے ساتھ ساتھ
اور شہرِ گل میں آشوبِ ہوا رہ جائے گا

بادلوں سے آگ برسے گی فضائے شہر پر
نقش مٹ جائیں گے، اِک نقشِ فنا رہ جائے گا

❁
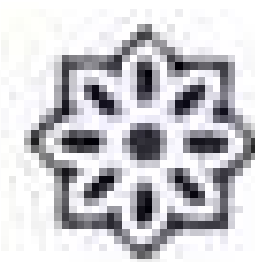
منزلیں بھی، یہ شکستہ بال و پر بھی دیکھنا
تم سفر بھی دیکھنا، رختِ سفر بھی دیکھنا

حالِ دِل تو کُھل چکا اِس شہر میں ہر شخص پر
ہاں مگر اس شہر میں اِک بے خبر بھی دیکھنا

راستہ دیں یہ سُلگتی بستیاں تو ایک دِن
قریۂ جاں میں اُترنا، یہ نگر بھی دیکھنا

چند لمحوں کی شناسائی مگر اب عمر بھر
تم شرر بھی دیکھنا، رقصِ شرر بھی دیکھنا

جس کی خاطر میں بھلا بیٹھا تھا اپنے آپ کو
اب اُسی کو بھول جانے کا ہنر بھی دیکھنا

یہ تو آدابِ محبت کے منافی ہے عطاؔ
روزنِ دِیوار سے، بیرونِ در بھی دیکھنا

۞
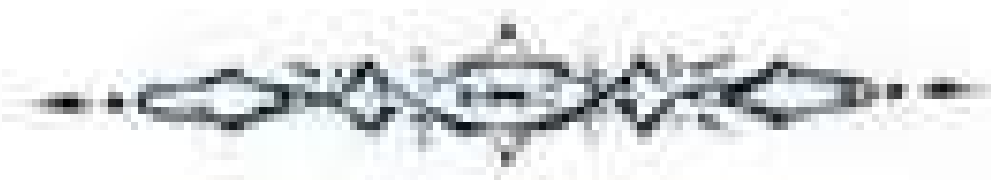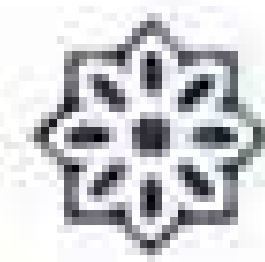
وہ سکونِ جسم و جاں گردابِ جاں ہونے کو ہے
پانیوں کا پھول پانی میں رواں ہونے کو ہے

ماہیٔ بے آب ہیں آنکھوں کی بے کل پتلیاں
اِن نگاہوں سے کوئی منظر نہاں ہونے کو ہے

گم ہوا جاتا ہے کوئی منزلوں کی گرد میں
زِندگی بھر کی مسافت رائیگاں ہونے کو ہے

میں فصیلِ جسم کے باہر کھڑا ہوں دم بخود
معرکہ سا خواہشوں کے درمیاں ہونے کو ہے

جاگتا رہتا ہوں اُس کی وسعتوں کے خواب میں
چشمِ حیراں سے بیاں اک داستاں ہونے کو ہے

شام ہوتے ہی عطاؔ کیوں ڈوبنے لگتا ہے دِل
کچھ نہ کچھ ہونے کو ہے اور ناگہاں ہونے کو ہے

اِقبال

دیکھا نہیں اس کو پہ وہ اپنوں کی طرح ہے
پہلو میں مچلتے ہوئے جذبوں کی طرح ہے

منزل کے نشاں ہیں اسی شاعر کے سخن میں
جو دِل میں اُترتے ہوئے نغموں کی طرح ہے

اقلیمِ سخن کا وہ شہنشاہِ معانی
کہسار سے بہتے ہوئے چشموں کی طرح ہے

وہ سبز ہواؤں کی صداؤں کا پیمبر
وہ غیب سے اُترے ہوئے لفظوں کی طرح ہے

اُس جانِ دو عالم کے عطا روپ ہزاروں
شبنم کی طرح ہے کبھی شعلوں کی طرح ہے

❁
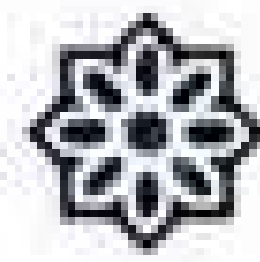
زمیں پہ دھول، فضا میں دھواں دکھائی دے
جو ڈھونڈتا ہوں، وہ منظر کہاں دکھائی دے

ہر ایک شخص یہاں آسماں سے شکوہ کناں
ہر ایک شخص یہاں آسماں دکھائی دے

قدم رکھوں تو کہاں اور نظر اٹھے تو کدھر
زمیں دکھائی دے نے آسماں دکھائی دے

وہی تھا عشق مرا اور وہی ہوس میری
دکھائی دے تو وہی جسم و جاں دکھائی دے

❁
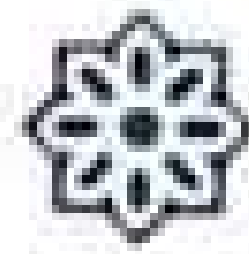
تھوڑی سی اِس طرف بھی نظر ہونی چاہیے
یہ زِندگی تو مجھ سے بسر ہونی چاہیے

آئے ہیں لوگ رات کی دہلیز پھاند کر
اِن کے لیے نویدِ سحر ہونی چاہیے

اس درجہ پارسائی سے گھٹنے لگا ہے دم
میں ہوں بشر، خطائے بشر ہونی چاہیے

وہ جانتا نہیں تو بتانا فضول ہے
اُس کو مرے غموں کی خبر ہونی چاہیے

مسجد سے ہو رہی ہے عطاؔ فجر کی اذان
اب تو مرے نگر میں سحر ہونی چاہیے

❁
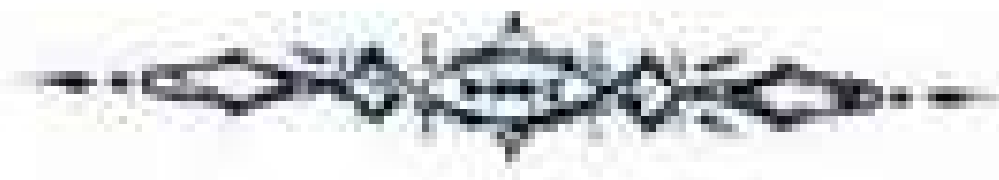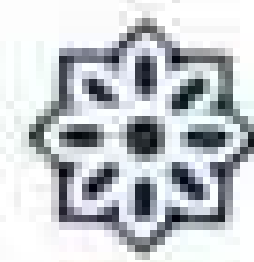
پہلے جو اپنا حال تھا، اب کے برس بھی ہے
اُڑتے ہیں اور اُڑان میں شامل قفس بھی ہے

وہ بازوؤں میں یوں ہے کہ جوں جلد میں کتاب
شاملِ نصابِ عشق میں بابِ ہوس بھی ہے

اُس نے سکوں دِیا بھی تو مانندِ اضطراب
تارِ نفس بھی ہے، وہ فشارِ نفس بھی ہے

دُنیا میں ایک درد کا رشتہ ہے لازوال
لیکن یہ کیا کہ درد کا رشتہ عبث بھی ہے

❁
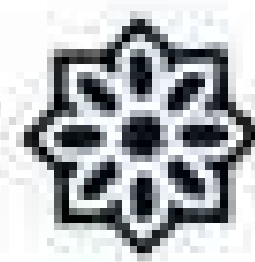
منزل قریب ہے تو عطاؔ در بدر نہ جائیں
اس بال و پر کے کھیل میں یہ بال و پر نہ جائیں

پھر اس کے بعد کالے پہاڑوں کا سلسلہ
یہ وہ سفر ہے جس میں مرے ہم سفر نہ جائیں

آنکھوں میں نیند جسم تھکاوٹ سے چور ہے
منزل پہ ہم پہنچ کے کہیں اپنے گھر نہ جائیں

جن کے لیے سفر یہ کیا تم نے اِختیار
کیا ہوگا اس سفر میں عطاؔ وہ اگر نہ جائیں
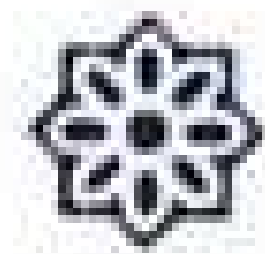
جہاں بھی رہنا خوشبو بن کر رہنا بھول نہ جانا
دِل بھی اِک چھوٹا سا گھر ہے اپنا بھول نہ جانا

من آنگن میں تیرے نام کا دیپ رہے گا روشن
جیون رستے بھول بھلیاں رستا بھول نہ جانا

پھولوں کی وادی سے گزریں تیرے گھر کے رستے
اُس کے ہاتھ میں ملنا یا ناں ملنا بھول نہ جانا

بھیگی آنکھوں، ہجر نصیبوں والا ایک مسافر
میرے سجناں، دیکھنا اُس کو دیکھنا بھول نہ جانا

کڑی مسافت میں اِک پیڑ تمہاری رہ میں ہوگا
پیاس کے صحراؤں میں تم اِک دریا بھول نہ جانا
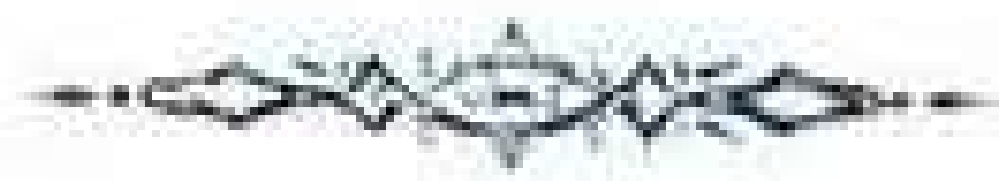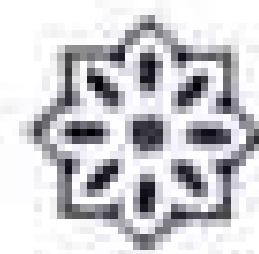
اُس کا چہرہ مہرہ یوں جانا پہچانا ہے
جیسے چاند سے جھیل کا رشتہ بہت پرانا ہے

دِل دروازہ بند کرو اور پھر تم سوچو تو
یہاں سے کس کو جانا ہے، اب کس کو آنا ہے

اپنا سفر تم اُس کی جانب رواں دواں ہی رکھو
پاگل لڑکے! تم نے اُس کو کھو کر پانا ہے

تم کو بھی دعوے تھے کتنے وفا شناسی کے
اب پھر تم ہو اور تمہارا روگ پرانا ہے

یہ سب کچھ تو عطا ہے ہم نے کہا تھا پر وہ شخص
کب سنتا ہے بات کسی کی، کب وہ مانا ہے

٭
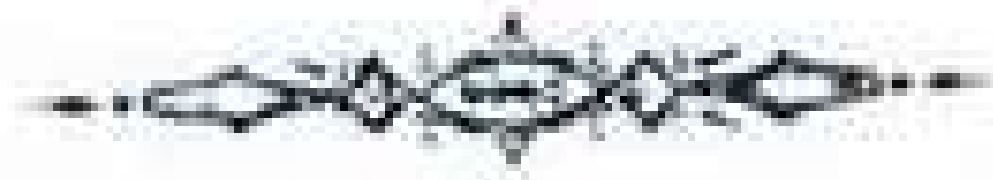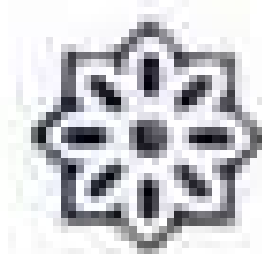
سارا دِن میں ایک ہی چہرہ سوچتا رہتا ہوں
جس کو دیکھا نہیں ہے، اس کو دیکھتا رہتا ہوں

آنکھیں رہن پڑی ہیں جسکے ہجر میں صدیوں سے
آئینوں میں عکس اُسی کا چومتا رہتا ہوں

سبز پرندوں والے ساحل کی تعبیر ہے کیا
میں اِک خواب کو اپنے خواب سناتا رہتا ہوں

مجھ کو پاگل کر دیتی ہے آہٹ انجانی
گلیوں گلیوں ایک ہیولا ڈھونڈتا رہتا ہوں

وصل کے رنگ، شناسا خوشبو، پھیلے چاروں اور
شام سویرے اِن کے پیچھے چلتا رہتا ہوں

دِل کا درد جگانے والی ایک صدا اور میں
اپنے ہاتھ میں ایک لکیر سی ڈھونڈتا رہتا ہوں

اِک آواز میں شامل کیسی آوازیں ہیں عطاؔ
کیا کچھ یاد آتا ہے، کیا کچھ بھولتا رہتا ہوں

❁
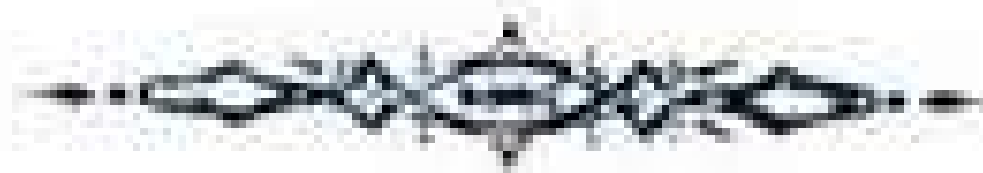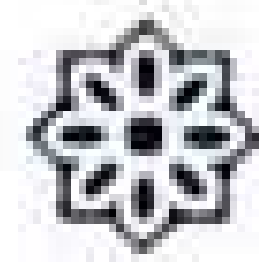
یہ چتائیں، اے زمانے کس لیے ہیں
روگ یہ اِتنے پُرانے کس لیے ہیں

تیرے بچے مر رہے ہیں بھوک سے کیوں
اے زمیں تیرے خزانے کس لیے ہیں

آئینوں میں اِن کی شکلیں ایک جیسی
جھوٹ سچ کے شاخسانے کس لیے ہیں

چشمِ حیراں پوچھتی پھرتی ہے اب تک
یہ حقیقت' یہ فسانے کس لیے ہیں

موسموں سے پوچھتی ہیں خود ہوائیں
شاخِ گل پہ تازیانے کس لیے ہیں؟

٭
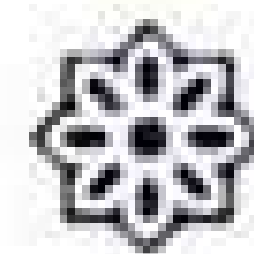
تم ہو سامنے اور بس تم کو دیکھتے رہنا
تم کو دیکھتے رہنا اور پھر سوچتے رہنا

رات گئے تک باتیں کرنا ہولے ہولے
تیرے کاجل والے نیناں چومتے رہنا

ساری دُنیا سو جائے، بس میں تم جاگیں
اور پھر شب بھر ایک پہیلی بوجھتے رہنا

ہلکی سی دستک پہ بند کواڑ کھلیں
تیرے دو پہرے داروں کا تکتے رہنا

جو رستے جاتے ہیں تیرے گھر کی جانب
اُن رستوں پر چلتے رہنا' چلتے رہنا

اُس کے سامنے چپ رہنا اور گھر آ کر
ڈھیروں باتیں اپنے آپ سے کرتے رہنا

ایک فلرٹ لڑکی

مجھ کو اپنا کہتی تھی
مجھ سے بھی وہ ملتی تھی
اُس کے ہونٹ گلابی تھے
اُس کی آنکھ میں مستی تھی
میں بھی بھولا بھٹکا سا
وہ بھی بھولی بھٹکی تھی
شہر کی ہر آباد سڑک!
اُس کے گھر کو جاتی تھی!
لیکن وہ کیا لڑکی تھی!
لڑکی تھی کہ پہیلی تھی!
اُلٹے سیدھے رستوں پر

آنکھیں ڈھانپ کے چلتی تھی
بھیگی بھیگی راتوں میں
تنہا تنہا روتی تھی

میلے میلے کپڑوں میں
اُجلی اُجلی لگتی تھی

اُس کے سارے خواب نئے
اور تعبیر پرانی تھی

۞
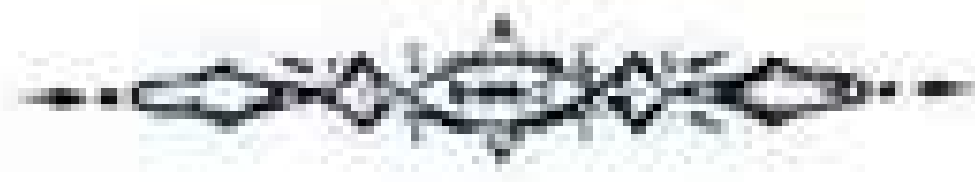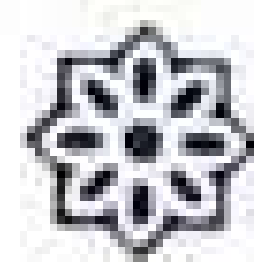
بجھتی ہوئی آنکھوں میں اُجالا نظر آیا
خوابوں میں کوئی خواب سا چہرا نظر آیا

دیکھا ہی نہیں میں نے اگرچہ کبھی اس کو
جب میں نے اسے دیکھنا چاہا، نظر آیا

بھول آیا تھا روتی ہوئی آنکھیں میں وہیں پر
جس روز گلستاں میں وہ ہنستا نظر آیا

یک رنگ نظاروں سے الگ خواب نگر میں
تجھ سا نظر آیا ہے نہ مجھ سا نظر آیا

میں بھول چلا تھا در و دیوار تمنا
پھر ایسے ہوا وہ رُخِ زیبا نظر آیا

جو شمع کی صورت نظر آیا شبِ غم میں
صحرا میں وہی صورتِ دریا نظر آیا

درویش ہو سلطان ہو یا صوفی و ملا
یاں جو بھی ملا طالبِ دنیا نظر آیا

جھانکا جو کبھی روزنِ دیوار سے تو نے
اے چشمِ تماشا تجھے کیا کیا نظر آیا

اس جیسا ابھی تک تو مری عمر رواں میں
چہرہ نظر آیا نہ سراپا نظر آیا

دیکھیں گے عطاؔ اس سے رہ و رسم بڑھا کر
وہ شہر نگاراں میں الگ سا نظر آیا

❁
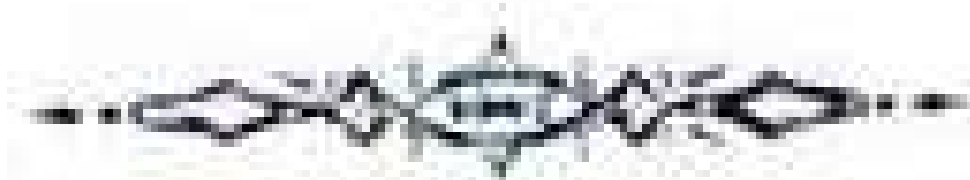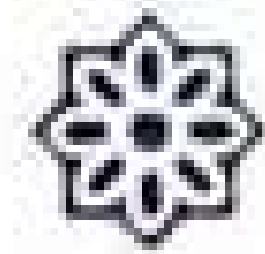
ترے لہجے میں خدشے بولتے ہیں
مرے دل میں بھی کیا کیا وسوسے ہیں

یہ موسم ، بے ثمر جذبوں کا موسم
وصال و ہجر دونوں ایک سے ہیں

لکھا جاتا نہیں حرفِ تمنا
خطوں میں خط کشیدہ رابطے ہیں

سخن وہ درمیاں آتا نہیں ہے
من و تو کے یہ کیسے سلسلے ہیں؟

بھلا بیٹھے ہیں اپنے آپ کو بھی
کچھ ایسے کام میں اُلجھے ہوئے ہیں

عطاؔ بدلے نظر آتے ہیں چہرے
یہ کیسے بے مروت آئینے ہیں

❁
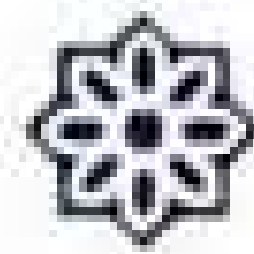
عجب منظر دکھانا چاہتا ہوں
نئی بستی بسانا چاہتا ہوں

خدا کے در سے خالی کون لوٹا؟
یہی تو آزمانا چاہتا ہوں

مرے چاروں طرف آنسو ہی آنسو
انہیں شعلے بنانا چاہتا ہوں

میں اپنی تنکناؤں کو کسی دِن
سمندر سے ملانا چاہتا ہوں

بٹھا کے اپنے پہلو میں کسی کو
کسے میں آزمانا چاہتا ہوں

تم آؤ گے تو باتیں بھی کریں گے
ابھی اِتنا بتانا چاہتا ہوں

✿
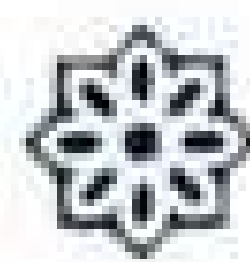
کتنے چہرے اِک اِک کر کے جھوٹے نکلے ہیں
کیسے کیسے لوگ ہمارے جیسے نکلے ہیں

شکر ادا کرنا بھی واجب شکوہ بھی لازم
ارماں نکلے تو ہیں لیکن کتنے نکلے ہیں؟

مانا سب سے زیادہ ہنستے ہیں شہرِ غم میں
اپنے گھاؤ بھی تو سب سے گہرے نکلے ہیں

"ون سونے" کپڑے پہنے گھر سے نکلے لوگ
اور ہم اُس کی یاد پہن کر گھر سے نکلے ہیں

تجھ کو یاد کیا تو غم بھی بھول گیا اپنے
یوں لگتا ہے میرے غم بھی تیرے نکلے ہیں
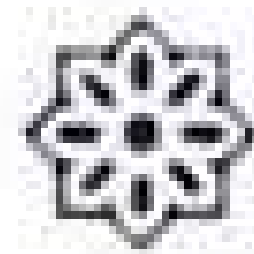
مجھ کو خود سے بے خبر کرنے لگی ہے
کیسا جادُو اِک نظر کرنے لگی ہے

باغ کی جانب کھلی سب کھڑکیوں کو
ایک لڑکی بے بصر کرنے لگی ہے

قید ہوتا جا رہا ہوں دائروں میں
فاصلے وہ مختصر کرنے لگی ہے

ایک نقطے میں سمٹتا جا رہا ہوں
یہ خلش پھر در بدر کرنے لگی ہے

لوریاں دیتا ہوں اپنی آگہی کو
شاخ خود کو بے ثمر کرنے لگی ہے

عکس تو سارے ہیں گدلے پانیوں میں
زِندگی اُجلے سفر کرنے لگی ہے

۞
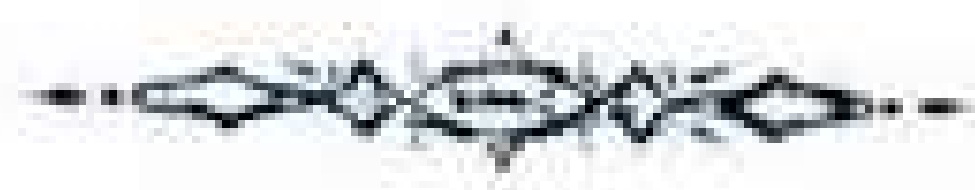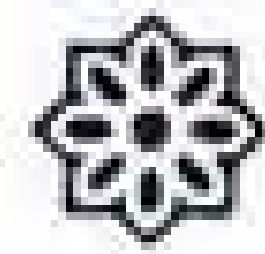
خود کو کھٹک رہا ہوں کسی خار کی طرح
حائل ہوں اپنی راہ میں دِیوار کی طرح

لمحہ بہ لمحہ پھیلتی جاتی ہیں ظلمتیں
دِن ڈھل رہا ہے مشرقی اقدار کی طرح

بوئی ہمیں نے سینۂ ظلمت میں روشنی
ڈالی ہمیں نے صبح کے انوار کی طرح

جب سے ملی ہے میری نگاہوں کو روشنی
ہر شے کو دیکھتا ہوں رُخِ یار کی طرح

اُس شوخ کی خوشامدیں کرتا ہوں رات دِن
میں ہوں ٹرسٹ کے کسی اخبار کی طرح

انسان بک رہا ہے عطاؔ کوڑیوں کے مول
سارا جہاں ہے مصر کے بازار کی طرح

۞
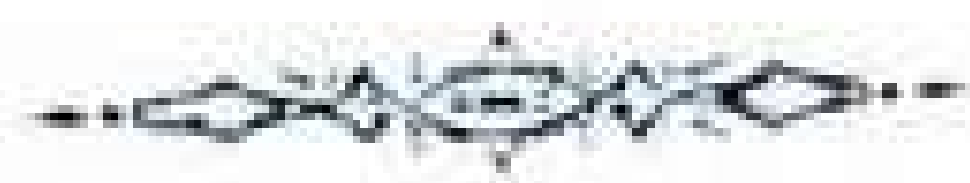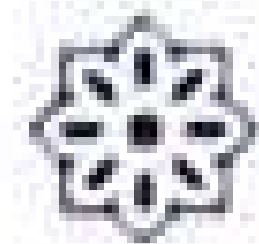
وہ ایک شخص کہ منزل بھی ' راستہ بھی ہے
وہی دُعا بھی ' وہی حاصلِ دُعا بھی ہے

میں اُس کی کھوج میں نکلا ہوں ساتھ لے کے اُسے
وہ حسن مجھ پہ عیاں بھی ہے اور چھپا بھی ہے

میں در بدر تھا ' مگر بھول بھول جاتا تھا
کہ اِک چراغ دریچے میں جاگتا بھی ہے

کھلا ہے دل کا دریچہ اُسی کی دستک پر
جو مجھ کو میری نگاہوں سے دیکھتا بھی ہے

یہ میری سرحدِ جاں میں قدم دھرا کس نے
کہ محوِ خواب ہوں، آنکھوں میں رت جگا بھی ہے

اُسے وہ بھولنے لگتا ہے، جو اُسے بھولے
عطاؔ کہ دِل زدہ بھی اور سر پھرا بھی ہے

✿
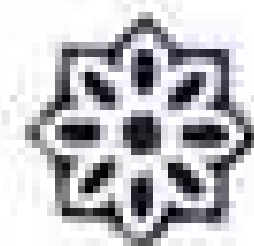
کانٹوں سی اِس دُنیا میں وہ پھولوں جیسی
جیون بھول بھلیوں میں وہ رستوں جیسی

اُجلی اُجلی مہکی مہکی روشن روشن
میری سوچوں جیسی، میرے جذبوں جیسی

جھلمل جھلمل کرتی اُترے دِل آنگن میں
رات اندھیروں میں وہ چاند اُجالوں جیسی

جاگتی آنکھوں سے بھی اُس کو دیکھتے رہنا
وہ خوابوں میں آنے والی پریوں جیسی

لُو برساتی دوپہروں میں اُس کی یادیں
ٹھنڈی کرنوں جیسی، ہلکے رنگوں جیسی

اک چہرے کا لپکا، میرے چاروں جانب
میں ہوں، اور یہ دُنیا ہے آئینوں جیسی
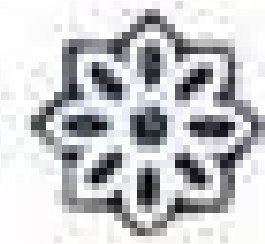
چلتے پھرتے رستا پوچھتے رہتے ہیں
اور پھر منزل سوئے رہتے ہیں

بُنتے رہتے ہیں ہم خواب مدینے کے
اور کوفے کی جانب چلتے رہتے ہیں

سنتے رہتے ہیں ہم غیر کے کانوں سے
اور ہم غیر کی آنکھ سے دیکھتے رہتے ہیں

روٹی کپڑا دولت طاقت جاں کی اماں
اک دوجے سے کیا کیا مانگتے رہتے ہیں

شور مچاتے ہیں یہ بچوں کی مانند
شب بھر درد پرانے جاگتے رہتے ہیں

آپ عطاؔ صاحب سے واقف تو ہوں گے؟
دن بھر ہنستے، شب بھر روتے رہتے ہیں!

❁
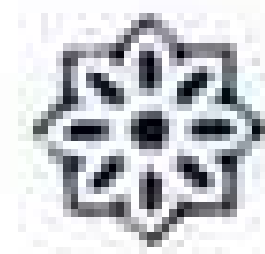
ابھی تو یہ تماشا دیکھنا ہے
سمندر نے کنارا دیکھنا ہے

چلو نکلیں کسی تنہا سفر پر
کسی کا راستہ کیا دیکھنا ہے

جسے تم دیکھ بیٹھے ہو اُسے اب
دلِ بے مدعا کیا دیکھنا ہے

کہاں دیکھا وفورِ عاشقی میں
ہمیں اب اُس کا چہرہ دیکھنا ہے

اندھیری رات کی پہنائیوں میں
کوئی روشن ستارہ دیکھنا ہے

دریچے سے نکلتی روشنی میں
وہی منظر پرانا دیکھنا ہے

سرابوں سے نکل آئے ہیں لیکن
ابھی اُس کا اِشارہ دیکھنا ہے

عطاؔ دُنیا بہت دیکھی ہے تم نے
مری جاں! اور اب کیا دیکھنا ہے

۞
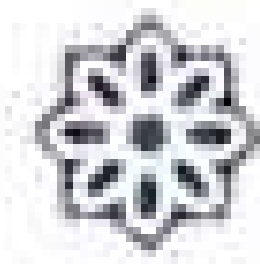
جہاں پہ میں تھا وہاں شاعری بہت کم تھی
بتوں کا شہر تھا اور آذری بہت کم تھی

سنا کچھ اور تھا لیکن مرے نصیب کی بات
شب وصال ! تری تازگی بہت کم تھی

مجھے قبول نہیں تھا وہ ہم سفر جس میں
خودی زیادہ تھی اور بے خودی بہت کم تھی

نکل پڑا ہوں کسی اور گھر کی خواہش میں
جہاں پہ گزری وہاں زندگی بہت کم تھی

یہ مسکراہٹیں ہر دم لبوں پہ تیرتی تھیں
لہو میں تیرتی پھرتی خوشی بہت کم تھی

سبب یہی تو نہ تھا بارشیں نہ ہونے کا
وہ کہہ رہا تھا ہوا میں نمی بہت کم تھی

مرے مزاج میں نفرت تھی اور محبت بھی
بس اتنا ہے کہ میانہ روی بہت کم تھی

اُسے پتا ہی نہ تھا زندگی کی وسعت کا
جسے گِلہ یہ رہا زندگی بہت کم تھی

گِلہ کریں تو کریں کس سے اے عطاؔ ہم لوگ
کہیں زیادہ کہیں روشنی بہت کم تھی

❁
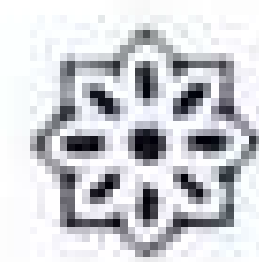
مرے وجود میں ہلچل نئی مچا دینا
مرے خدا مجھے اِک ایسا رت جگا دینا

بہت اداس سا پھرتا ہے زخم خوردۂ عشق
اسے بھی بزم ہوس میں ذرا جگہ دینا

اِک آسمان سروں پہ سدا رہے قائم
اِک آسمان سروں سے مگر ہٹا دینا

تمھی کو آتے ہیں یہ کھیل دلفریبی کے
تم اپنا نقش مرے دل سے خود مٹا دینا

سماعتوں کی حدوں سے نکل بھی جائے اگر
سکونِ شہر کو تم مژدۂ صدا دینا

جسے پکارا تھا سرگوشیوں کی رم جھم میں
اسے عجیب سا لگتا ہے اب صدا دینا

میں مر بھی جاؤں جو دیدہ ورانِ شہرِ وفا
مری زمین میں آنکھیں مری اُگا دینا
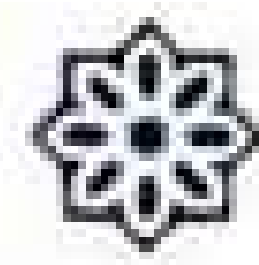
غروبِ شمس، طلوعِ سحر میں رہتا ہے
مثالِ نجم و قمر وہ سفر میں رہتا ہے

وہ چاند مجھ سے بہت دور ہے مگر پھر بھی
اجالا بن کے مرے بام و در میں رہتا ہے

میں کیوں ادھر سے گزرتا ہوں اب ہوا معلوم
وہ شوخ بھی تو اسی رہگذر میں رہتا ہے

اسی سے صبح مری ہے، اسی سے شام مری
تبھی تو وہ مرے شام و سحر میں رہتا ہے

میں آنکھ بھر کے اسے آج تک نہ دیکھ سکا
وہ ایک چہرہ جو ہر دم نظر میں رہتا ہے

شرر ہے اس کا بدن مدھ بھرے ہیں نین اس کے
وہ ساحلوں سا ہے لیکن بھنور میں رہتا ہے
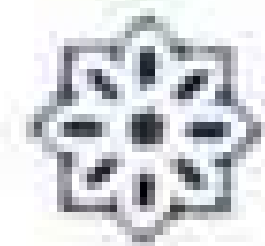
پھولوں سے بھری راہگذر یاد نہ آئے
اب دل کو کوئی اچھی خبر یاد نہ آئے

کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں سمجھ دار مسافر
جب چھاؤں سے نکلیں تو شجر یاد نہ آئے

اس عمر میں اس شخص سے کیا ربط بڑھائیں
اِک بار ملے، بارِ دگر یاد نہ آئے

سوچا تھا کریں گے اسے زنجیر ہنر سے
وہ سامنے آیا تو ہنر یاد نہ آئے

یہ ٹھیک ہے چھوڑا تھا اسے اپنی رضا سے
ایسا بھی نہیں اب وہ نگر یاد نہ آئے

کیا ایسے سفر کا لکھیں احوال عطاؔ ہم
تصویر بھی دیکھیں تو سفر یاد نہ آئے

تم سے ملاقات کی ساعت

(۱)

ایک ہیولا تھا جس کی مہکاریں تھیں
میں تھا اور پازیبوں کی جھنکاریں تھیں
صبحیں شامیں، راتیں اُس کے خیالوں میں
من گلشن میں بجری بجری پھواریں تھیں

(۲)

خواب تھے اور حقیقت تنہا کمرے میں
چپ چہروں پر لکھی عجب پکاریں تھیں

(۳)

اِک شمشیرِ برہنہ میرے پہلو میں
اِک تلوار تھی کتنی اُس کی دھاریں تھیں
پھر ہم لمس کے پاتالوں میں یوں اُترے
اندر سناٹا ' باہر سسکاریں تھیں
من میں کومل کومل جذبوں کی برکھا
تن کا سانپ تھا اور اُس کی پھنکاریں تھیں
ہاتھ بھٹکتے تھے اور خوب لرزتے تھے
جسم کدوں میں رستوں کی دِیواریں تھیں
کیا وہ تم تھے' یا کوئی اور تھا پہلو میں
کیا وہ میں تھا' یا میری لشکاریں تھیں
آخر تیسرا کون تھا' جس کا دھڑکا تھا
ہم تھے اور ہمارے ساتھ بہاریں تھیں

✿
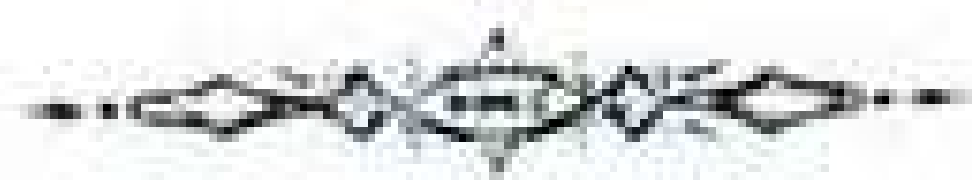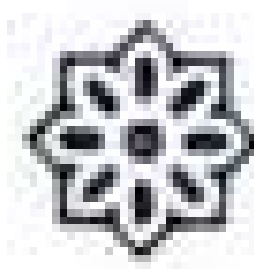
معیار کیا ہے' صاحبِ معیار کون ہے؟
کردار کیا ہے' صاحبِ کردار کون ہے؟

اے شخص تیرا ہاتھ ہے تلوار پہ مگر
یہ تو بتا کہ صاحبِ تلوار کون ہے؟

کہتے ہو جانثار ہے' دلدار پر' مگر
یہ بھی کبھی بتاؤ کہ دلدار کون ہے؟

اک دوسرے کے درپئے آزار ہیں سبھی
اور پوچھتے ہیں درپئے آزار کون ہے؟

ہر شخص ذوق و شوق سے کھجلا رہا ہے کان
مصروف سارا شہر ہے' بیکار کون ہے؟
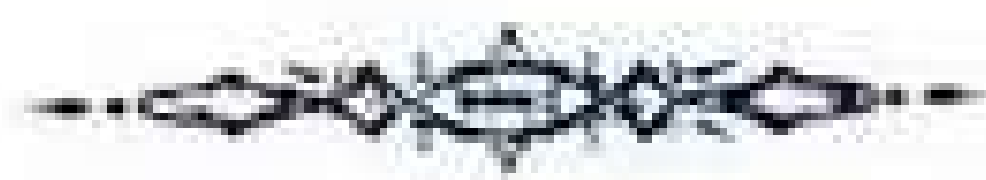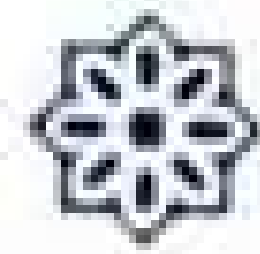
سب سے بڑھ کے وقت کا فیصلہ ہوتا ہے
تیرے میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے

اب تو دونوں آنکھیں کھول کے چلتے ہیں
کون کسی کے پیار میں اندھا ہوتا ہے

جس رستے کو پیچھے چھوڑے جاتے ہیں
آگے آگے پھر وہ رستہ ہوتا ہے

میں ہوں ڈھلتے دن کے بجھتے سورج سا
میں ہوں جیسے صبح کا تارا ہوتا ہے

وہ ہے جیسے شکر دوپہر میں ٹھنڈی چھاؤں
وہ ہے جیسے چاند کا ٹکڑا ہوتا ہے

اک اک لمحہ اس سے بچھڑے ہونے کا
دل میں صدیوں صدیوں پھیلا ہوتا ہے

میرے بھی کچھ چاہنے والے شہر میں ہیں
لیکن دیوانہ ' دیوانہ ہوتا ہے

جیسے لمس کی لذت پہلی بار ملے
اس کو چھونا جاں سے گزرنا ہوتا ہے

پاگل

تم نے اس کو دیکھا ہے؟
جب وہ باتیں کرتی ہے
جب وہ اپنی مٹھی اپنے سیب سے
گالوں پر رکھتی ہے
اور کہنی کو اپنی بھری بھری رانوں پہ جما کر
میری اوٹ پٹانگ سی باتیں
غور سے سنتی ہے!

....

تم نے اس کو دیکھا ہے جب وہ اپنے پاؤں
زمیں پر رکھتی ہے
چھم چھم چھما چھم، چھم چھم، چھما چھم

اور پاؤں میں پائل نہ پازیب کوئی

....

تم نے اس کن رس کو دیکھا ہے، جب اس کی آواز
فضاؤں سے کچھ کہنے لگتی ہے
شب کی خاموشی بھی کوئی گیت سنانے لگتی ہے!

....

تم نے اس کو چھو کر دیکھا ہے؟
سارے بدن کا خون میری انگلی کی اس اک پور میں
آ کر رُک جاتا ہے
جو اس کو چھونے کا ارادہ کرتی ہے

....

تم نے اگر اس کو نہیں دیکھا
اور نہ سنا
اور نہ چھوا
تو پھر تم مجھ کو پاگل پاگل کیوں کہتے ہو؟
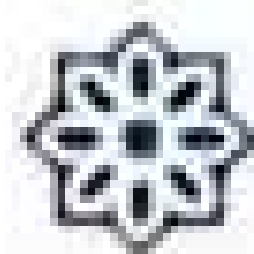
وہ دشتِ کرب و بلا میں اُترنے دیتا نہیں
ہوائے تیز میں مجھ کو بکھرنے دیتا نہیں

زمیں کو چومنا چاہوں کہ وہ زمیں پہ ہے
وہ آسمان سے مجھ کو اترنے دیتا نہیں

جھپکنے دیتا نہیں آنکھ وہ شبِ خلوت
مرے لہو کو وہ آرام کرنے دیتا نہیں

یہ کس عذاب میں اُس نے پھنسا دیا مجھ کو
کہ اُس کا دھیان کوئی کام کرنے دیتا نہیں

کیے ہیں بند عطاؔ اُس نے سارے دروازے
کسی بھی راہ سے مجھ کو گزرنے دیتا نہیں
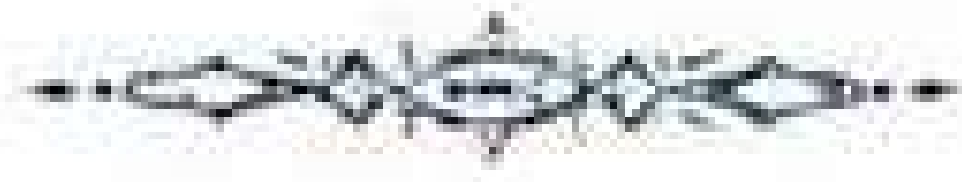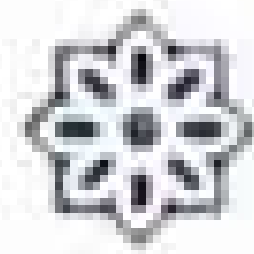
دھوپ چمکتی ہے تو بادل یاد آتا ہے
شہر سلگتے ہیں تو جنگل یاد آتا ہے

میں سمجھا تھا بھول چکا ہوں لیکن وہ تو
یاد آتا ہے اور مسلسل یاد آتا ہے

ساون کی رم جھم راتوں میں اس کو بھی کیا
بھیگی سڑکیں اور وہ پاگل یاد آتا ہے؟

یاد کریں تو یاد نہیں آتا وہ سانول
بھولنا چاہیں تو وہ سانول یاد آتا ہے

آج بھی جب میں ڈار سے کونج بچھڑتی دیکھوں
اس کی آنکھیں، اُس کا کاجل یاد آتا ہے

لوٹ آتی ہیں بھول بھلیوں سے جب آنکھیں
عطاؔ کو بھولا بسرا پل پل یاد آتا ہے

❁
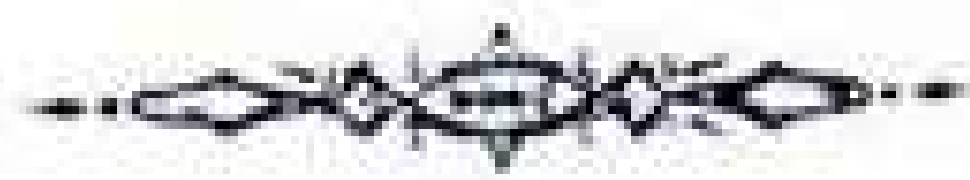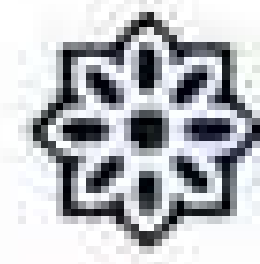
طوفاں گزر گیا ہے تو پتوار ہیں بہت
دل بجھ گیا تو دل کے طلب گار ہیں بہت

آنکھوں میں کوئی خواب ہے یا خواب کا اثر
ان ظلمتوں میں صبح کے آثار ہیں بہت

عصمت مآب پردہ نشینوں کے باب میں
ہم کیا کہیں کہ ہم تو گنہ گار ہیں بہت

چاروں طرف ہیں جہل و عداوت کی صورتیں
یہ صاحبان جبہ و دستار ہیں بہت

شامِ سیہ قبا ہوئی مسند نشین صبح
سچ پوچھیے تو اس کے طرفدار ہیں بہت

ان سے کہو وہ زحمتِ آزار مت کریں
میرے لئے تو صبح کے اخبار ہیں بہت

❁
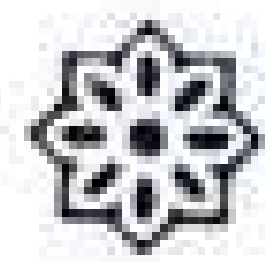
اک امتحاں کے بعد اور امتحان آ گیا
زمین مہرباں ہوئی تو آسمان آ گیا

ہم ایک دوسرے کی شکل دیکھنے سے بھی گئے
یہ کون میرے اور تمہارے درمیان آ گیا

ترے بغیر زندگی گزر رہی تو ہے مگر
جو بے دھیانیوں میں ہم کو تیرا دھیان آ گیا؟

نگر دھواں دھواں سا تھا فضا بجھی بجھی سی تھی
پھر اس کے بعد یوں ہوا وہ مہربان آ گیا

ہم اہل دل عجیب مخمصوں میں مبتلا رہے
کبھی یقین آ گیا ، کبھی گمان آ گیا

سب اپنی اپنی خواہشوں کی دھوپ میں ہیں مطمئن
ہمارے درمیاں یہ کون خوش بیان آ گیا ؟

جھلس رہے تھے دھوپ میں ترس رہے تھے سائے کو
نگر میں رات ہو گئی تو سائبان آ گیا

❁
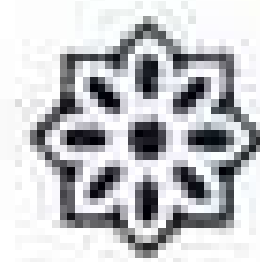
منزل پہ پہنچنے ہی کے ارماں نہیں ہوتے
رستے تو کبھی بے سر و ساماں نہیں ہوتے

آئینے تو اس شہر میں ہیں اور بھی لیکن
سارے تو تجھے دیکھ کے حیراں نہیں ہوتے

یہ سوچ کے بے لوث تری سمت چلا ہوں
منزل سے کبھی وعدہ و پیماں نہیں ہوتے

اس بار ملا مجھ سے تو پوچھوں گا یقیناً
کیا عشق کے دل میں کوئی ارماں نہیں ہوتے؟

ان آنکھوں میں تم ڈوب نہ جانا کہ عطاؔ جی
وہ ڈوبنے والوں کے بھی پرساں نہیں ہوتے

❁
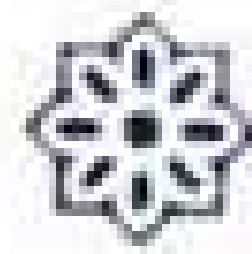
یہ شامِ غم گزرتی کیوں نہیں ہے
مری قسمت بدلتی کیوں نہیں ہے

گھٹائیں ہی گھٹائیں ہیں سروں پر
یہ بارش اب برستی کیوں نہیں ہے

نہیں تم سا مسیحا کوئی لیکن
مری حالت سنبھلتی کیوں نہیں ہے

سفر در پیش نیلے پانیوں کا
کوئی کشتی اُترتی کیوں نہیں ہے

جو خواہش مضطرب رکھتی ہے مجھ کو
ترے دِل میں مچلتی کیوں نہیں ہے

وہ اِک معصوم سی سادہ سی لڑکی
مرے دِل سے نکلتی کیوں نہیں ہے

عطاؔ سب کچھ دِیا میرے خدا نے
کلی دِل کی چٹکتی کیوں نہیں ہے
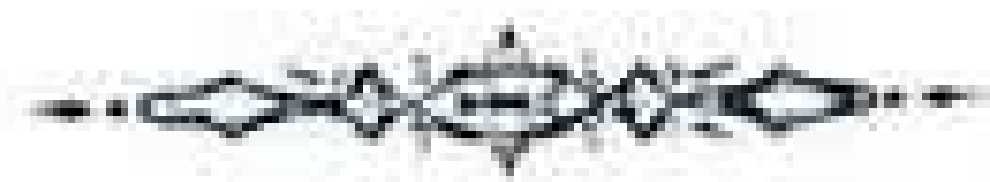
پرانی گلیوں سے ایک آواز

گھر کو جانے والے راستے اچھے لگتے ہیں
جیسے دِل کو درد پرانے اچھے لگتے ہیں

پھول نگر میں رہنے والو' آ کر دیکھو تو
اپنے گھر کے کانٹے کتنے اچھے لگتے ہیں

گلی گلی میں ساجن اِک دن سورج اُتریں گے
اِسی لیے تو ڈُوبتے تارے اچھے لگتے ہیں

تم جو نہیں ہو راتیں لمبی ہوتی جاتی ہیں
آ بھی جاؤ ساتھ تمہارے اچھے لگتے ہیں

آ بھی جاؤ ماں نے ابھی تک کھانا نئیں کھایا
آ بھی جاؤ ماں کو بیٹے اچھے لگتے ہیں

ولیم، پیٹر، ڈکسن، تھامس، ہیری سے لینا کیا
ہمیں تو اپنے ماجھے گامے اچھے لگتے ہیں
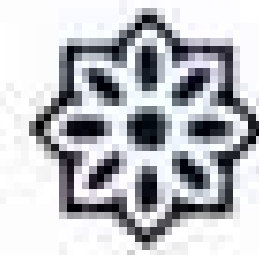
ہوا کے سامنے جلتا ہوا دِیا نہ سمجھ
اے بے وفا مجھے اِتنا بھی با وفا نہ سمجھ

مرے وصال کا نشہ ہے تیری آنکھوں میں
مرے خیال سے خود کو ابھی رہا نہ سمجھ

خیال و خواب کی دُنیا میں یہ سفر کب تک
حقیقتوں سے کبھی خود کو ماورا نہ سمجھ

خدا کرے یہ تری سادگی رہے قائم
ہر ایک بات سمجھ حرفِ مدعا نہ سمجھ

رہِ حیات کے سب ہم سفر عزیز ترے
شکستہ پا کو عطا اپنا نقشِ پا نہ سمجھ

موت کے سفر کی کتھا

جب تک اپنے جی کی باتیں،
اپنے پیاروں سے نہ کرلوں
جی کو چین نہیں پڑتا ہے
لیکن میں نے پچھلے چند مہینوں میں
ایسے رستوں میں خاک اُڑائی جو بالآخر
موت کے منہ میں لے جاتے ہیں
اور یہ سب کچھ میں نے اپنے پیاروں سے بھی چھپایا
دِل کا روگ تھا، میں نے اِس کو دل کا روگ بنایا

میرے لیے یہ راہیں نئی تھیں، میں اِن راہوں میں یوں
گھلا ملا ہوں

جیسے پھول میں خوشبو
راہیں میرا دامن تھامے، میرے پیچھے پیچھے آتیں،
اپنا آپ دِکھاتیں
اور میں ان کو روند کے چلتا، ان راہوں کو روند کے چلنے میں
کچھ عجب نشہ تھا

لیکن
میں نے پچھلے چند مہینوں میں بوجھل دِل، بوجھل سانسوں سے
ایسے رستوں میں خاک اُڑائی جو بالآخر موت کے منہ میں لے جاتے ہیں
یہ راہیں بے انت سفر کی جانب مجھے بلاتیں
یہ راہیں بھی میرا دامن تھام کے میرے پیچھے پیچھے آتیں
اپنا آپ دکھاتیں
لیکن ان کا جوبن میرے من میں جوت جگاتا، دِل کو روگ لگاتا
میں، جو راہیں روند کے چلنے والا ایک مسافر تھا، ان راہوں
سے خوفزدہ تھا،
اِن راہوں سے ایک پرندہ مجھ کو اُن رستوں کی سمت بلاتا، جن کی
دُھول میں رستے گم ہو جاتے ہیں

اِن راہوں پر چلنا خود کو دُھول میں گم کرنا تھا

میں اب اِن راہوں سے بچ نکلا ہوں جن پر چلتے چلتے شام ہوئی

اور سورج ڈوب گیا تھا

اور میں پھر اُن راہوں میں ہوں جن کو روند روند کے چلنے میں کچھ

عجب نشہ ہے

اور یہ سب کچھ میں نے اپنے پیاروں سے بھی چھپایا' دِل کا روگ تھا'

میں نے اِس کو دِل کا روگ بنایا

میں اب موت کے منہ سے لوٹا ہوں تو اپنے سفر کی کتھا سنانے

بیٹھ گیا ہوں

تھکن دکھانے بیٹھ گیا ہوں!

پاکستان کے لیے ایک نظم

میرے وطن، اے میرے سپنے، تیرے سپنے دیکھوں
آنکھ کھلے تو قریہ قریہ رنگ بکھرتے دیکھوں

گھر سے سینہ تان کے نکلیں تیرے چھیل چھبیلے
چاروں جانب ہنستی آنکھیں، ہنستے چہرے دیکھوں

میرے ہر اک سانس میں تیرے نام کے گھنگرو باجیں
آنکھیں بجھتے، بجھتے تیرے خواب جزیرے دیکھوں

گھنے درختوں، گہری چھاؤں، سبز ہواؤں والے
میں تیری دہلیز پہ بیٹھا تیرے رستے دیکھوں

❀
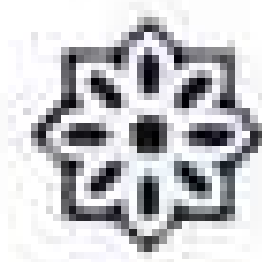
عجب یہ ملگجی سی روشنی ہے
پہ جیسی بھی ہے اپنی روشنی ہے

مرے گھر کے اندھیرے جانتے ہیں
ترے گھر میں کہاں کی روشنی ہے

نہ روکو آنسوؤں کو خستہ جانو!
ان آنکھوں کی نمی بھی روشنی ہے

یہ آنکھیں کچھ چھپاتی بھی ہیں مجھ سے
ان آنکھوں سے پرے بھی روشنی ہے

جسے ڈھونڈوں عطاؔ میں بحر و بر میں
وہی تو بحر و بر کی روشنی ہے
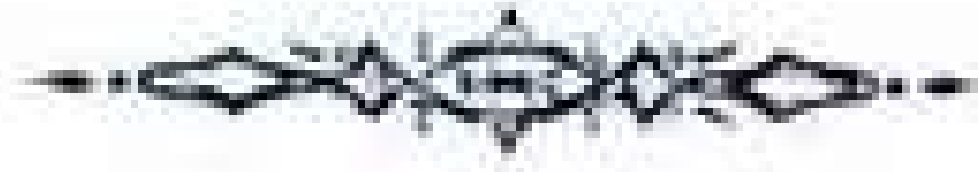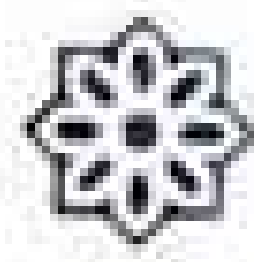
بہت دِنوں سے وہ چہرہ دکھائی دیتا نہیں
جو بے وفا تو ہے ایسا دکھائی دیتا نہیں

نہیں ہے دل میں کسی کے لیے بھی گردِ ملال
یہ آئینہ مجھے میلا دکھائی دیتا نہیں

بجھا بجھا سا ہے مدت سے شعلۂ احساس
مجھے یہ شہر سلگتا دکھائی دیتا نہیں

ہر ایک شخص یہاں خواہشوں کے نرغے میں
کوئی بھی شہر میں تنہا دکھائی دیتا نہیں

بچھڑ کے تجھ سے، ملے اور بھی تجھ ایسے لوگ
مجھے یہاں کوئی مجھ سا دکھائی دیتا نہیں
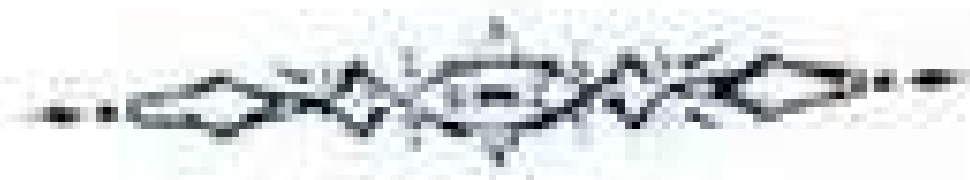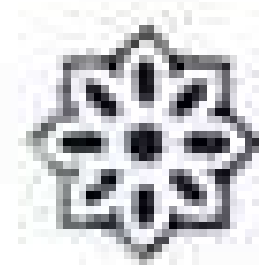
صبح کا منظر، شام کا چہرہ دیکھ لیا ہے
میں نے سورج جلتا بجھتا دیکھ لیا ہے

کس کی مٹھی میں کرنیں ہیں اور کتنی ہیں
بجھتی راتوں کا اندھیارا دیکھ لیا ہے

انسانوں سے نہیں، میں سایوں سے ڈرتا ہوں
کالی رات میں اپنا سایہ دیکھ لیا ہے

تو بھی بھولا بھٹکا ' میں بھی آوارہ ہوں
ہم دونوں نے سیدھا رستہ دیکھ لیا ہے

آؤ آنکھیں ڈھانپ کے نکلیں اس بستی سے
آنے والے کل کا چہرہ دیکھ لیا ہے

ٹریفک سگنل

(۱)

''میں عہدِ رفتہ کو ڈھونڈتا ہوں
نئی کتابوں کے معبدوں میں
پرانے لفظوں کو پوجتا ہوں
بشارتوں کا میں منتظر ہوں''

(۲)

''مری زباں پر ہیں صبحِ نو کے' نئے اُفق کے' نئے جہاں کے
نئے ترانے

پرانی قبریں چیخ رہی ہیں
دِیے بجھاؤ کہ ''سرخ سورج'' اُبھر رہا ہے
دِلوں میں کوئی اُتر رہا ہے''

(۳)

نئے پرانے ہیں لفظ میری زباں پہ لیکن
میں اِن کی لذت سے بے خبر ہوں
میں بے ہنر ہوں
میں سرخ بھی ہوں، میں سبز بھی ہوں !!!
میں کچھ نہیں ہوں !

❁
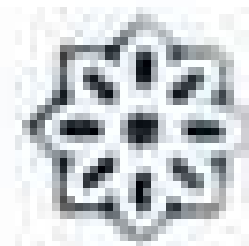
کیوں چھپ گیا ہے شام سے اندھے مکان میں
کیا کہہ گئی ہے تیز ہوا تیرے کان میں

اب تک اسیرِ لمحہ عہدِ کہن ہوں میں
منظر بدل رہے ہیں یہاں آن آن میں

وہ وقت تھا جو لوٹ کے آیا نہیں کبھی
وہ تیر ہوں جو آ گیا واپس کمان میں

گزرا ہے کوئی تاروں پہ رکھتا ہوا قدم
لکھے ہوئے ہیں نقشِ قدم آسمان میں

لرزاں ہے میری آنکھ میں کس آئینے کا عکس
رس گھولتی ہے کون صدا میرے کان میں

روتا ہے کوئی رات کے پچھلے پہر عطاؔ
آیا ہے کون ساتھ کے اُجڑے مکان میں
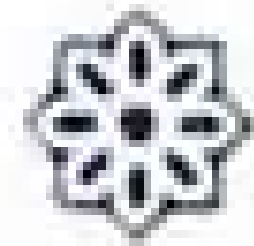
جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ سب دھوکا ہے
میں نے پہلے بھی یہ اکثر سوچا ہے

ریزہ ریزہ ہو کر بکھرے خواب حسیں
جلتی دھوپ ہے، میں ہوں، میرا سایہ ہے

اور اب میں بھی اُس سے چھپتا پھرتا ہوں
وہ بھی اپنے گھر میں سہما بیٹھا ہے

جس کو دیکھے ایک زمانہ بیت گیا
اب وہ شخص نجانے کیسا لگتا ہے

بھیس بدل کر شہر میں نکلو تو جانو
کون کسی کے بارے میں کیا کہتا ہے

اس کو پانا ہے تو خود کو زیر کرو
سورج چھپتا ہے تو چاند نکلتا ہے

❁
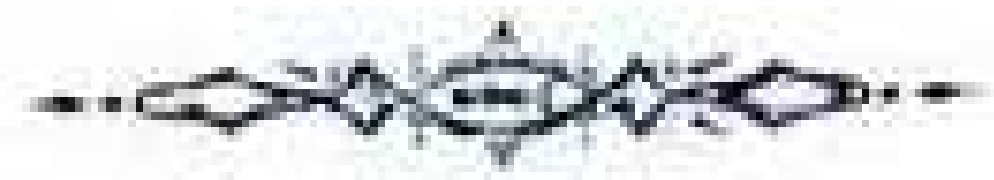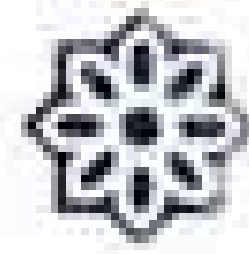
یہ کس طرح کی ہے راہِ اُلفت خبر نہیں ہے
یہ فتح میری ہے یا ہزیمت خبر نہیں ہے

بس اِک نظر میں اُتر گیا ہے جو میرے دل میں
مری محبت ہے یا ضرورت خبر نہیں ہے

مرے لیے قوسِ قزح لے کر طلوع ہوا وہ
اِس ابتداء کی ہے کیا نہایت خبر نہیں ہے

سراب چہرے ہوئے ہیں اوجھل مری نظر سے
مجھے کہاں لے چلی ہے چاہت، خبر نہیں ہے

سیاہ آنکھیں بلا رہی ہیں نئے سفر پہ
نیا سفر ہے نویدِ راحت خبر نہیں ہے

میں دیوتا تھا مگر پجاری بنا ہوا ہوں
یہ مجھ پہ کیسے ہوئی عنایت خبر نہیں ہے

میں چھو کے دیکھوں تو اُس کی خوشبو کے رنگ جاگیں
وہ خواب ہے یا کوئی حقیقت خبر نہیں ہے

عطاؔ کو دعویٰ سخن وری کا بہت ہے لیکن
زباں میں کیوں آ گئی ہے لکنت خبر نہیں ہے

آزادی کے متوالوں کے نام

جن سینوں میں تیر ترازو، ان کی مدحت لکھیں
جن ہاتھوں میں تیر کماں، ہم ان کی مذمت لکھیں

جن ہونٹوں پر آزادی کے حرفوں والے نغمے
چومیں اِن ہونٹوں کو، اُن حرفوں کی حرمت لکھیں

جن کا مرنا ہم جیسوں کے جینے سے ہے بہتر
لوحِ دِل پر ان کے لیے ہم حرفِ محبت لکھیں

صحرا صحرا پڑھیں ہم ان کے جذبوں کے افسانے
ان کے عزم کی رفعت کو ہم پربت پربت لکھیں

جن کے سروں پہ کالی کملیؐ والے کا ہے سایہ
ان کمزور نہتے اِنسانوں کی طاقت لکھیں

✿
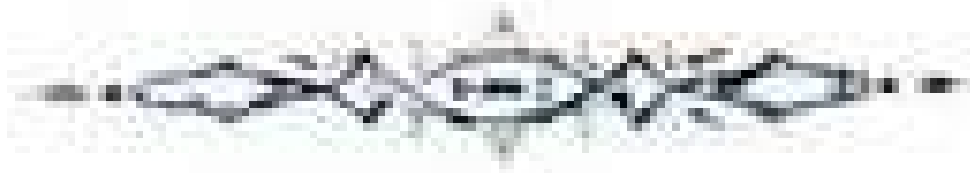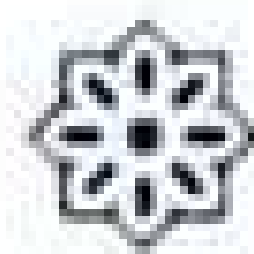
کسی کی آنکھ پہ کچھ ایسا اعتبار کیا
تمام عمر سرِ راہ انتظار کیا

بھلایا میں نے اسے اس کے یاد کرنے تک
کیا جو یاد تو میں نے بھی بے شمار کیا

مرا غزال زمانے میں بے مثال کہاں
کہ اپنا سامنا خود اُس نے بار بار کیا

خدا نہ کردہ کہیں سے خبر کسی کو ملے
دوائے دل کی جگہ اُس نے دل فگار کیا

عجب تھا حال مرا اور بجھا بجھا تھا یہ دل
مری خزاں کو یہ کس پھول نے بہار کیا

مقابل اُس کے سخن سازیاں کہاں صاحب
چلا گیا تو سخن ہم نے صد ہزار کیا

ہوا کے دوش پہ سنتا ہوں آہٹیں اُس کی
ان آہٹوں نے ہواؤں کو مشکبار کیا

بدن کے بھید سبھی رہزنی کو کھول دیئے
پھر اس نے راہبروں میں مجھے شمار کیا

خود اُس نے بڑھ کے عطا ہاتھ میرے چوم لئے
گناہ گار پہ یوں اس نے اعتبار کیا

٭
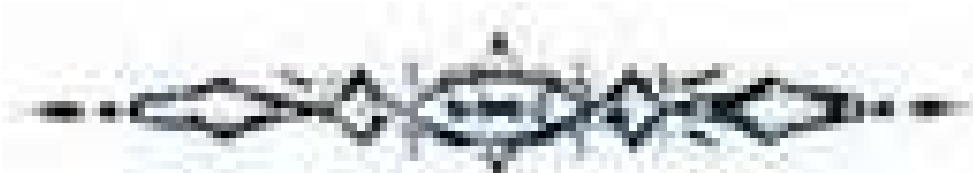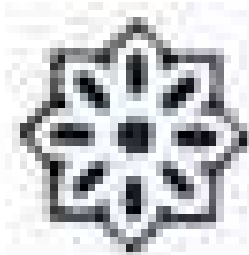
میں سوچتا تھا' وہ عزت مآب کیسا ہے؟
بہت دنوں میں کھلا وہ سراب کیسا ہے؟

یہ میری چاند سی دھرتی پہ بدنما چہرے
کتاب کیسی تھی' یہ انتساب کیسا ہے؟

امیرِ شہر ! ترے فیصلے بھی تیرے نہیں
غریبِ شہر پہ پھر رُعب داب کیسا ہے؟

انہیں خبر ہی نہیں رنگ و نور و نکہت کی
جو پوچھتے ہیں ترا ماہتاب کیسا ہے؟

جو ایک آنکھ میں آنسو تو دوسری میں ہو خواب
یہ ایک خواب ہے اور جانے خواب کیسا ہے؟

کسی نے پوچھا کسی سے عطاؔ کا حال کہاں
یہی کہا کہ وہ خانہ خراب کیسا ہے؟

تمہارے رستے میں روشنی ہو!

(کشمیری مجاہدین کے لیے ایک نظم)

(۱)

میں کتنا نازاں ہوں اپنے لکھے ہوئے
حروفِ شگفتگی پر
میں سوچتا ہوں خدا نے مجھ کو ہنر یہ کیسا عطا کیا ہے
کہ میرے لفظوں کو خلعت فاخرانہ دے کر
مرا نصیبہ جگا دیا ہے
میں لاکھوں لوگوں کے آنسوؤں کو
میں ان کی افسردہ خواہشوں کو
میں ان کے پھیلے ہوئے دکھوں کو
سمیٹ لیتا ہوں اپنے دامن میں
میں اپنے ہنستے ہوئے قلم سے
میں اپنے لفظوں کے زیر و بم سے
انہیں غموں سے نکالتا ہوں

اداس چہروں پہ مسکراہٹ کی روشنی جب طلوع ہوتی ہے
میری آنکھوں میں اِک ستارہ خوشی سے رقصاں
پلک کی دہلیز تک پہنچتا ہے اور حیرت سے سارے بدلے ہوئے مناظر کو دیکھتا ہے

(۲)

مگر یہ قصہ بہت پرانا سا ہو گیا ہے
''میں ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا''
کہ چار سو روشنی ہے اور بے شمار آنکھیں
غزالی آنکھیں
مرے لہو میں اُتر رہی ہیں
میں پوچھتا ہوں کہ اس نگر میں یہ روشنی کا غبار کیسا؟
ہواؤں میں یہ خمار کیسا؟
فضاؤں میں اِک صدا اُبھرتی ہے
اور کہتی ہے
یہ شہیدوں کے خون کی مشعلیں ہیں، جن سے
نگر نگر میں ہوا چراغاں
یہ ماؤں، بہنوں کی، بیٹیوں کی سروں سے، اُتری ردا کا صدقہ!
یہ روشنی سیب جیسے گالوں، گلوں میں
نیزوں کو زیوروں کی طرح پرونے سے

ہر دریچے سے آ رہی ہے
عجیب منظر دکھا رہی ہے
کہ نقدِ جاں ہاتھ میں ہے اور بے شمار راہی بقا کے رستے پہ
گامزن ہیں!

(۳)

میں دیکھتا ہوں کہ ایک عورت کہ جس کے چہرے پہ مامتا ہے۔
کہ جس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی رواں ہے۔
وہ اپنے بچے کی لاش پلکوں کی رہگذر پہ لیے کھڑی ہے
میں پوچھتا ہوں تمہیں ضرورت ہے میرے لفظوں کی
میں لاکھوں لوگوں کے آنسوؤں کو
سسکتی دم توڑتی رتوں کو
فضا میں پھیلے ہوئے دکھوں کو
میں اپنے لفظوں کے زیر و بم سے
اداس چہروں پہ مسکراہٹ بکھیرتا ہوں
تمہیں ضرورت ہو میرے لفظوں کی تو بتاؤ
یہ سن کے اس نے گلاب بچے کا ماتھا چوما
پھر اس کے بہتے لہو میں انگلی ڈبو کے اس نے
یہ حرف لکھے

''خدا کرے میرے دکھ سلامت رہیں کہ ان سے

ہمارے رستوں میں روشنی ہے

تمہارے رستوں میں ایک عرصے سے راحتوں اور سہولتوں نے

گھنے اندھیروں کا روپ دھارا

سہولتوں کا غبار جس نے تمہارے رستے چھپا دیئے ہیں

وفا کے تارے بجھا دیئے ہیں

یہ مات کھائے کچھ اس طرح سے کہ جتنے منظر ہیں تا بہ منزل

وہ جگمگائیں، تمہاری آنکھوں میں مسکرائیں!

یہ دکھ وہ شعلہ بنے کہ جس سے کہیں نہ امکان تیرگی ہو

تمہارے رستے میں روشنی ہو!

۞
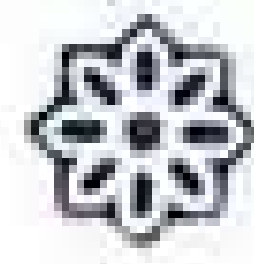
اب تو داد طلب کرتے ہیں ہم ہر کام سے پہلے
اور آرام بہت کرتے ہیں ہم آرام سے پہلے

اچھی لگتی ہے ضد اُس کی لیکن سوچ رہا ہوں
کیسے اُس کا نام لکھوں میں اپنے نام سے پہلے

شام ڈھلے مصروف بہت ہوتے ہیں میرے حاکم
جو کچھ اُن سے کہنا ہو وہ کہہ لو شام سے پہلے

عطاؔ ہمارا شہر ہے یا آسیب نگر ہے کوئی
شام اُترنے لگتی ہے ہر گھر میں شام سے پہلے

شاید مری طرح کبھی رستہ وہ بھول جائے
میں نے دیا منڈیر پہ رکھا ہوا تو ہے

جس فاصلے سے بڑھتی ہیں آپس کی قربتیں
وہ بے حجابیوں میں بھی رکھا ہوا تو ہے

محشر میں اب عذاب سے انساں کو ہو نجات
دنیا میں ہر عذاب سے گذرا ہوا تو ہے

❁
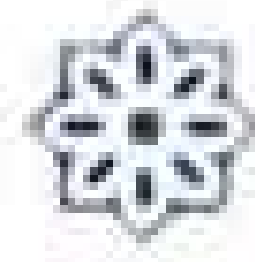
جس کی کرنیں مشرق میں اور مغرب میں
دل آنگن میں ایسا سورج اُترا ہے

اس کے بدن کے رستے بھول بھلیاں سے
ان رستوں سے لوٹ کے گھر کون آیا ہے

تم کیا سمجھو، تم کیا جانو بے خبرو!
رات کو سورج دن کو چاند نکلتا ہے

ان آنکھوں کے سحر سے نکلو جلد عطاؔ
ان آنکھوں کا جھوٹ بھی سچ سا لگتا ہے
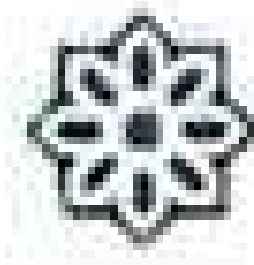
تانبے جیسی رنگت، ریشم جیسی زُلفوں والا
سویا سویا لگتا ہے بیدار نصیبوں والا

دِل کی بستی میں بھی اُترے گا وہ زینہ زینہ
قریوں قریوں، قصبوں قصبوں، شہروں شہروں والا

ایک نظر میں گھائل کیوں نہیں ہوتے ہم ایسے بھی
اُس کا مکھڑا دیکھا بھالا، گیتوں غزلوں والا

موٹی موٹی آنکھوں والے عطاؔ کو دیکھا تم نے!
چُپ چُپ رہنے لگا ہے اب یہ ہنستے لفظوں والا

❁
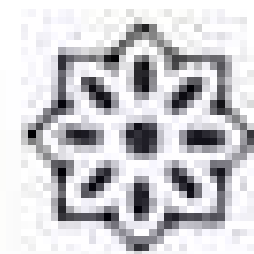
پھولوں کی مہک، موجِ ہوا کچھ بھی نہیں ہے
یہ شہرِ حنا، تیرے بنا کچھ بھی نہیں ہے

آنکھیں ہیں کہ بس ایک ہی صورت انہیں بھائے
اور دل میں بھی اب تیرے سوا کچھ بھی نہیں ہے

اک چہرہ مرے سامنے رہتا ہے مسلسل
یہ صبحِ ازل، شامِ فنا کچھ بھی نہیں ہے

ان وصل کے رنگوں میں ہے اک رنگِ جدائی
خوابوں میں سرابوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

اب دستِ دعا کیسے اٹھے، سوچ رہا ہوں
دنیا! تیرے دامن میں رہا کچھ بھی نہیں ہے

کیوں ڈھونڈنے لگتا ہوں جو پہلو میں ہے میرے
کیوں تو بھی تصور کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

اس قریۂ بے خواب کے آئین ستم میں
اب حرفِ جزا، حرفِ سزا کچھ بھی نہیں ہے

منزل کی ہوس ہے تو عطاؔ جان لو تم بھی
اس آبلہ پائی کا صلہ کچھ بھی نہیں ہے

۞
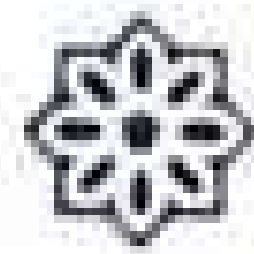
بہت قریب ہوں اور فاصلوں کی قید میں ہوں
سفر نصیب ہوں اور دائروں کی قید میں ہوں

مجھے یہ منزل جاں تک بھی لے کے جائیں کبھی
میں ایک عمر سے جن راستوں کی قید میں ہوں

مجھے اب اذنِ رہائی ہو چشم ہائے غزال
بہت دنوں سے میں ان دشمنوں کی قید میں ہوں

پرانا شہر مرے ساتھ ساتھ چلتا ہے
نئے دنوں میں، پرانے دنوں کی قید میں ہوں

دمک رہے ہیں مرے دل کے داغ، شامِ فراق!
غریبِ شہر ہوں، ان مہ وشوں کی قید میں ہوں

شبِ وصال میسر، نہ شامِ ہجر عطا
میں کس دیار میں، کن موسموں کی قید میں ہوں

٭
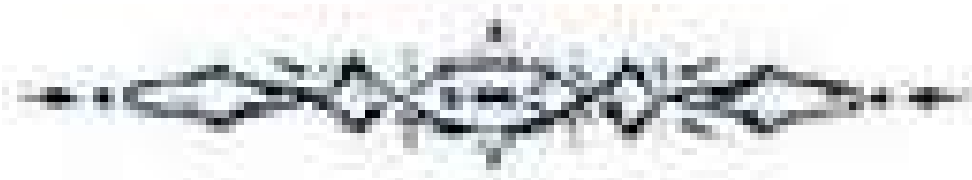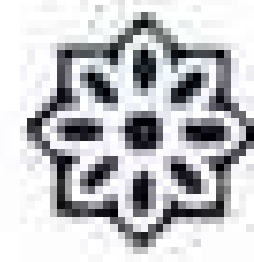
وہ ستارا جو آسمان میں تھا
ایک دن میرے بادبان میں تھا

اِک جزیرہ تھا میرے خوابوں کا
اِک سمندر بھی درمیان میں تھا

میں تو تھا قریۂ جمال میں گم
وہ کسی اور ہی گمان میں تھا

جسم پھولوں بھری کیاری تھی
اور کانٹا کوئی زبان میں تھا

تیر آیا تھا کس طرف سے عطاؔ
میں تو بیٹھا ہوا مچان میں تھا

❁
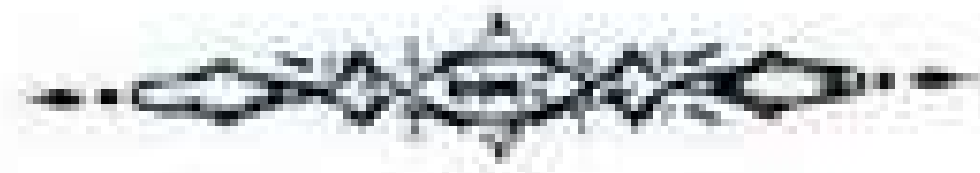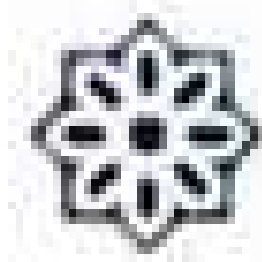
پہلے تم جیسا میں کوئی دِلبر ڈھونڈنا چاہوں
آہستہ آہستہ پھر میں تم کو بھولنا چاہوں

جن سے ناتے توڑ دیے تھے ان سے جوڑ کے ناتے
رفتہ رفتہ تم سے بچھڑ کر خود سے بچھڑنا چاہوں

تیرے باطن میں اُتروں میں موند کے آنکھیں اپنی
یعنی سب کچھ دیکھنا چاہوں، کچھ نہ دیکھنا چاہوں

جس چہرے کی لو میں لکھتا رہا ہوں میں اپنے خواب
اُسی سے اب میں اپنے سارے خواب چھپانا چاہوں

میرے مولا عشق حوالے مجھ کو راس نہ آئے
میں پھر جسموں کی بھٹی کا ایندھن بننا چاہوں

❁
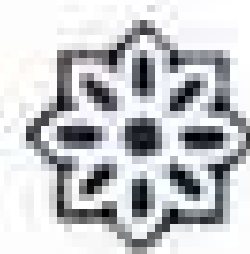
راہ بھولے ہوئے ناداں کی کہانی لکھے
کوئی اِس دور کے اِنساں کی کہانی لکھے

خواہشیں سینے میں دم توڑ رہی ہیں کیا کیا
کوئی سہمے ہوئے ارماں کی کہانی لکھے

اپنے تاریک گھروندے سے نکل کر کوئی
کاش اس شہرِ چراغاں کی کہانی لکھے

ہم جو پھرتے ہیں سرِ شام ہواؤں کی طرح
کوئی اس درد کے عنواں کی کہانی لکھے

سن رہے ہیں غمِ جاناں کی حکایت کب سے
اب جو لکھے غمِ دوراں کی کہانی لکھے

تو نے لکھی شبِ تاریک کی روداد عطاؔ
تو ہی خورشیدِ درخشاں کی کہانی لکھے

❁
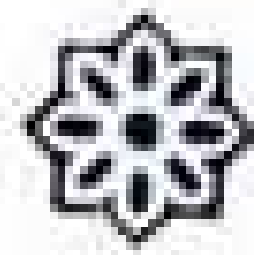
اُس کو اپنے آپ میں ڈھونڈ نا اچھا لگتا ہے
اس کی یاد میں شب بھر جاگنا اچھا لگتا ہے

میں بھی جانتا ہوں وہ مجھ کو چاہتا ہے دل سے
لیکن اس کے منہ سے سننا اچھا لگتا ہے

ہر دم میرے سامنے ہوتا ہے، وہ کہیں بھی ہو
اس کو سوتے جاگتے دیکھنا اچھا لگتا ہے

اس کی باتیں کرتے رہنا اپنے یاروں سے
لیکن پھر بھی کچھ نہ بتانا اچھا لگتا ہے

نیند کا کیا ہے یہ تو وصل کی شب بھی آتی ہے
لیکن اس کو اوڑھ کے سونا اچھا لگتا ہے

کتنے دنوں کے بعد عطاؔ نے ایسے شعر کہے
جس سے کھلا کیا ان کو برا کیا اچھا لگتا ہے

❁
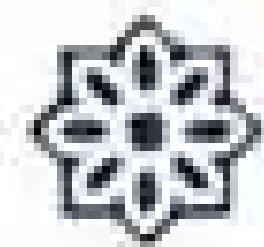
خواب میں نے دیکھا تھا' کیا حسیں سویرا تھا
آنکھ جب کھلی میری' پھر وہی اندھیرا تھا

میں نے اس کو دیکھا تھا' ماہتاب چہروں میں
ماہتاب چہروں میں بس اسی کا چرچا تھا

اس گلی میں جا نکلا' میں اداس لمحوں میں
بند تھی گلی وہ بھی' اور چپ کا پہرہ تھا

تم تو شہرِ خوباں کی ہر ادا سے واقف تھے
کب کسی نے آہٹ پر دل دریچہ کھولا تھا؟

دونوں ایک جیسے تھے، دونوں بچوں جیسے تھے
وہ بھی ہنستا روتا تھا، یہ بھی ہنستا روتا تھا

قاسمی سے کہنا تم، اب کہاں کی تعبیریں
تم نے خواب جو دیکھا، خواب وہ انوکھا تھا

۞
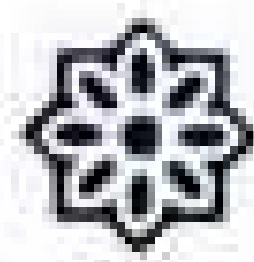
اُس کے عشق میں نام مقام کے ناتے بھول گئے ہیں
کیسے خود کو یاد کیا تھا، کیسے بھول گئے ہیں

اُس سے کیوں ملنا تھا اور کیا کیا باتیں کرنا تھیں؟
یہ بھی اُس کے سامنے بیٹھے بیٹھے بھول گئے ہیں

کیسے سفر سے لوٹی ہیں یہ ریزہ ریزہ آنکھیں
اِک چہرے کی دُھن میں کتنے چہرے بھول گئے ہیں

یہ ہم کس ساحل پر اُترے خوشبوؤں کو اوڑھے
ہمیں تو واپس جانے والے رستے بھول گئے ہیں

دِل میں اتنے اندیشے ہیں جتنے روپ ہیں اُس کے
اور کہتے ہو، سود وزیاں کے قصے بھول گئے ہیں

عطاؔ کی سادہ دلی تو دیکھو ایک سراب کے پیچھے
جھرنا جھرنا پھوٹنے والے چشمے بھول گئے ہیں

نعت

ہم اُن کا نقش پا بھولے ہوئے ہیں
خداوندا ! یہ کیا بھولے ہوئے ہیں

چلو پھر لوٹ جائیں اس طرف کو
جدھر کا راستہ بھولے ہوئے ہیں

اسے سوچیں تو یاد آتا ہے ہم کو
کہ ہم تو مدّعا بھولے ہوئے ہیں

ہماری آنکھ شرمندہ ہے اس سے
کہ آئینِ وفا بھولے ہوئے ہیں

گھرے ہیں تنگناؤں میں کچھ ایسے
سمندر کی ہوا بھولے ہوئے ہیں

سرِ ساحل ضرور اُتریں گے اک دن
پرندے راستہ بھولے ہوئے ہیں

قسم ہم کو عطا شیریں لبوں کی
بیاں کا ذائقہ بھولے ہوئے ہیں

نعت

شام مکہ کے سوا ، صبح مدینہ کے سوا
دل کو کچھ یاد نہیں یثرب و طیبہ کے سوا

چاندنی میرے لئے دھول تیرے قدموں کی
کہکشاں کیا ہے تیرے نقش کف پا کے سوا

آپ کی ایک نظر سے وہاں گلشن جاگے
جس جگہ کچھ نہ تھا سوئے ہوئے صحرا کے سوا

آپؐ سے پہلے یہاں کیا تھا، مرے پاک نبیؐ
حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا کے سوا

تیری رحمت کے کرشمے ہیں یہاں چاروں طرف
کون دیکھے گا مگر دیدۂ بینا کے سوا

زندگی موت کی دہلیز پہ آ پہنچی ہے
چارہ گر کوئی نہیں ہے میرے مولا کے سوا

نعت کہتا ہوں تو یہ مجھ پہ عطا ہے تیری
دل میں کچھ بھی تو نہیں تیری تمنا کے سوا

مُلاقاتیں اُدھوری ہیں

عطاء الحق قاسمی

عطاء الحق قاسمی ایک جرأت مند لکھاری ہے وہ مزاج کا کھرا اور کردار کا بہادر ہے۔ عطاء کا یہی وصف اس کی ساری خوبیوں پر بھاری ہے اور اسی سبب سے وہ مجھے پسند ہی نہیں میری نظر میں محترم بھی ہے۔ عطاء کی فکاہی نثر کا ایک عالم گرویدہ ہے ایسے عاشقانِ عطا کو مژدہ ہو کہ جس شخص کی نثر نے پڑھنے والوں کے من موہ لئے ہیں اب اس کے شعری مجموعہ کا تازہ ایڈیشن نئی تخلیقات کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔ مزاح کی چاشنی اپنی جگہ مگر عطا کی شاعری میں خصوصیت سے غزل میں اس کے اصل خدو خال اُبھرتے ہیں کوئی کوئی شعر تو اُس کرب کو نمایاں کر دیتا ہے جو اُس کی تحریروں کا مخفی خزانہ ہے۔ ایک دُکھ کی لہر Under Current کے طور پر اُس کے سازِ سخن میں ہلکورے لیتی محسوس ہوتی ہے ایسا کیوں ہے میری سمجھ میں تو نہیں آتا مگر ایسا ہے اور میرا یہ گمان نہیں بلکہ ایمان ہے کہ قہقہے بانٹنے والے لوگوں کے خلوت کدوں میں دُکھ کے آتشدان بھڑکتے رہتے ہیں جن کی چنگاریاں سُننے اور پڑھنے والوں کے دامنِ دِل تک جا پہنچتی ہیں!

احمد فراز

ISBN 969-544-012-6